ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 05
مئی 2025ء

عبداللہ برغوثی
اسرائیلی قید میں زندگی سے محروم

کب تک اہل غزہ کا پیمانہ زندگی آزمایا جائے گا؟

کتنی بار صہیونیت حماس کو آزمائے گی؟

غزہ غذائی امداد لے جانے والے بحری جہاز پر اسرائیل کا کھلے پانیوں میں حملہ

فریڈم فلوٹیلا کو آگ لگادی گئی

غزہ جنگ کون جیتے گا
اسرائیل، امریکہ یا حماس

اسرائیلی سفاکیت: غزہ میں فلسطینی صحافیوں کو جلا کر ہلاک کر دیا

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 11 شمارہ 05 مئی 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

اس شمارے میں

■ کلامِ اقبال
■ اداریہ

غزہ جنگ کون جیتے گا، اسرائیل، امریکہ یا حماس

صہیونیوں عقوبت خانوں میں اذیتوں کا نشانہ بننے والے ڈاکٹر حسام ابوصفیہ

ابتہال کی توانا آواز

اسرائیل: فوجی ڈسپلن کے مقابلے میں بڑھتی مذہبیت

■ کتنی بار صہیونیت حماس کو آزمائے گی؟
■ مسجد الاقصیٰ قبلۂ اوّل
■ گمنام ہیروز
■ اسرائیلی یرغمالی: سیاسی بساط پر نیتن یاہو کے کھلاڑی
■ اعلامیہ: قومی کانفرنس
■ 555 دن میں 40,000 فضائی حملے
■ حماس ہتھیار نہیں ڈالے گی!
■ قربتیں کم ہو رہی ہیں فاصلے زیادہ
■ نیتن یاہو مقدمہ ہار چکے ہیں
■ عبداللہ برغوثی: اسرائیلی قید میں زندگی سے محروم
■ غزہ منتظر ہے صدائیں کون سنے گا؟

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

کلامِ اقبال

اداریہ

اسرائیل: جواب ملنا چاہیے

غزہ غذائی امداد لے جانے والے بحری جہاز پر اسرائیل نے کھلے پانیوں میں حملہ کیا ہے۔ اس سے اس فریڈم فلوٹیلا کو آگ لگ گئی۔ یہ واقعہ 2 مئی کو غزہ سے باہر سمندر میں پیش آیا۔ اس میں اسرائیل کے ڈرونز نے فلوٹیلا کے جنیریٹر پر حملہ کیا۔ یہ امدادی جہاز کھانے پینے کی اشیاء لے کر جا رہا تھا۔ اسرائیل نے 2 مارچ سے غزہ کی مکمل بندی کر رکھی ہے۔ فلوٹیلا لے جانے والے عملے نے بتایا ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ کھلے پانیوں میں اسرائیل نے ایسا حملہ کیا ہے۔ اسرائیل اطراف کے مسلم ممالک پر حملے کر رہا ہے۔ اسے کسی ملک کی طرف سے کسی قسم کا جواب نہیں دیا جا رہا۔ اس وجہ سے اس کے حوصلے کھل گئے ہیں۔ اب دمشق اور بیروت پر بھی حملوں میں شدت آ رہی ہے۔

دوسری طرف بنیامین نیتن یاہو نے ایک تقریر میں اعلان کیا ہے کہ اسے اس امر کی پرواہ نہیں ہے کہ اسرائیلی یرغمالیوں کا کیا بنے گا، اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسرائیل کے دشمنوں کو ختم کیا جائے۔ بین الاقوامی عدالت انصاف کے سامنے امریکہ اور اسرائیل نے اقوام متحدہ کے فلسطین کے لیے امدادی ادارے انروا (UNRWA) کی مخالفت کی ہے۔

یہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا اور خوف ناک واقعہ ہے کہ بیس لاکھ سے زیادہ انسانوں کو گھیر کر ایک اندھے قاتل کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک بے ضرر عدالت میں مقدمے کی آخری لمحوں میں سماعت کی جا رہی ہے کہ اسرائیل و امریکہ کو یہ حق دیا جا سکتا ہے یا نہیں کہ وہ ان انسانوں کی امداد روک سکتے ہیں یا نہیں۔

اس سے بھی زیادہ الم ناک واقعہ یہ رونما ہو رہا ہے کہ مسلم ممالک بالخصوص آس پاس کے اہم ترین عرب ممالک کی مسلسل خاموشی نے مجرمانہ صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ جرم کیا کم تھا کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر فلسطینیوں کو اسرائیل کے آگے چارہ بنا کر ڈال دیا گیا تھا۔ ان کا جرم صرف یہ تھا اور ہے کہ وہ مسلم دنیا میں آزادی و حریت کا علم لے کر نکلے تھے۔ اس علم کو اٹھانے والوں کو کاٹ دیا گیا۔ اس کام کے لیے امریکہ کو جو رقم ادا کی گئی ہے وہ ڈونلڈ ٹرمپ کے اس ماہ کے وسط میں دورۂ مشرق وسطیٰ پر دے دی جائے گی۔ اس کی مالیت تقریباً 4 کھرب ڈالر سے زیادہ بنتی ہے۔ ذرا دیر کے لیے مان لیجیے کہ ان کے بدلے امریکہ ان تین ممالک کو اعلیٰ ترین اسلحہ دے گا۔ کسی کو ایف سولہ طیارے ملیں گے تو کسی کے حصے میں B-2 بمبار آئیں گے۔ کسی کے دفاع کی ذمہ داری امریکہ اپنے ذمے لے گا۔ کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ یہ سارے جہاز بس دشمن کے خلاف استعمال ہوں گے۔ کیا یہ یمن کے حوثی قبائل کے خلاف استعمال ہوں گے؟ کیا ان کو ان ممالک میں صرف رکھا جائے گا؟ امریکہ کی رضامندی کے خلاف ان کو استعمال نہیں کیا جائے گا؟ کیا اس جدید ترین اسلحہ سے ان ممالک کو جوہری توانائی پیدا کرنے کا حق دے دیا جائے گا؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔

اس وقت سب سے اہم ضرورت اہل غزہ کو بچانے کی ہے۔ ایک بار ان بیس لاکھ انسانوں کو فلسطینی ہونے کی سزا دے دی گئی تو پھر مغربی کنارے، مقبوضہ بیت المقدس اور خود نام نہاد اسرائیل کے اندر بسنے والے فلسطینی اس سزا کی زد میں آئیں گے۔ ان کا خون بہے گا۔

یہ محض باتیں نہیں ہیں۔ ان کا اعلان بار بار بنیامین نیتن یاہو، سموٹریچ اور ایتمار بن گویر کر رہے ہیں۔ اس خطے سے اسی کے اصل باسوں کو دشمن قرار دے لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل قابض ہے۔ یہ قبضہ کرانے والے مغربی ممالک اور امریکہ ہی تھے۔ ہم اس تاریخ میں ابھی جانا نہیں چاہتے۔ لیکن اسی تاریخ کا سبق یہ ہے کہ جو آج مقامی آبادی یعنی فلسطینیوں کو نکال رہے ہیں، ان کا کھانا اور پانی بند کر رہے ہیں، ان کے بچوں کو بھی بھوک اور بیماری سے مار رہے ہیں، وہی قابض ہیں، وہی اس قوم کے اصل دشمن ہیں، ان کا خاتمہ بنتا ہے۔

یہاں ہر احتیاط کے باوجود یہ کہنا ضروری ہے کہ جن تین ممالک کا ذکر ہو رہا ہے، اس کے کھرب ڈالر سے زیادہ ٹرمپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے، محض ایک ارب ڈالر سے سارے غزہ میں خوراک کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ کہا جا رہا ہے اور ہم بار بار ان صفحات میں اس کا اعادہ بھی کرتے آ رہے ہیں کہ ابراہام معاہدوں پر اب عمل ہونے جا رہا ہے۔ ان معاہدوں سے مستفید ہونے والا ایک ملک ایسا بھی ہے جس کے بارے میں سوشل میڈیا کے ایک پلیٹ فارم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے حکمران کا برطانیہ میں 40 ارب ڈالر سرمایہ موجود ہے۔ یہ بھی ٹرمپ کو ایک کھرب 40 ارب ڈالر کا خراج ادا کرنے والے ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنے ملک کو جدید بنانے کی دھن میں مگن ایک بڑے ملک سے بھی ٹرمپ کو ایک کھرب ڈالر مل جائیں گے۔

ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ کون کیا تبدیلی لا رہا ہے، ہم تو یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ ان سب کے دسترخوانوں سے روزانہ بلاشبہ لاکھوں افراد کو کھانا ملتا ہے، شاید وہ سب کے سب بھوکے بھی نہ ہوں، غزہ میں تو یہ خود جانتے ہیں کہ بیس لاکھ انسانوں کو بموں سے زیادہ اب بھوک و پیاس سے مارا جا رہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ غزہ عالم اسلام کا منتظر ہے۔ اگر اس وقت عالم عرب کے حکمرانوں نے وہاں کربلا برپا کرنے کا اپنے مفادات کے لیے کوئی فیصلہ کرلیا ہے تو کم از کم پاکستان، ترکی اور ایران کو ایک غذائی قافلہ سمندر کے راستے بھیجنا چاہیے۔ اس بات سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ اسرائیل حملہ کردے گا یا امریکہ ناراض ہوگا، یہ قدم تو بہر حال اٹھانا ہی ہوگا۔ اگر یہ تین ممالک بھی کچھ نہیں کریں گے تو پاک بھارت جنگ سے تو اب بھی ڈرایا جا رہا ہے۔ وہ خطرہ باقی ہے اور اسی کا دھوکہ دے کر غزہ سے توجہ ہٹائی جارہی ہے۔

ابراہام معاہدے

ابراہام معاہدے کیا ہیں؟

''ہم زیر دستخطی، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں امن کے استحکام اور اس کو برقرار رکھنے کی ضرورت بہت زیادہ اور اہم ہے۔ اس امن سے دنیا کا امن وابستہ ہے۔ یہ باہمی طور پر ایک دوسرے کو سمجھنے، بقائے باہمی کے اصول اور انسانی وقار و آزادی کے فروغ اور ساتھ ہی مذہبی آزادی کے لیے ضروری عمل ہیں۔''

یہ ابراہام معاہدوں کی عبارت کا لب لباب ہے۔ یہ معاہدے امریکہ کے موجودہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے پہلے عہد اقتدار کے آخری ایام کی یادگار ہیں۔ یہ معاہدے عرب ممالک کے ساتھ اسرائیل کے تعلقات قائم کرنے یا اصل الفاظ میں اسرائیل کو باقاعدہ جائز ریاست اور قانونی ملک تسلیم کرنے کا اعلان ہیں۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ فلسطین نام کی کسی ریاست کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسرائیل قابض نہیں ہے۔ فلسطینی غیر ملکی اور اجنبی ہیں۔ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔

یہ مختصر الفاظ میں خلاصہ ہے جس کو ڈونلڈ ٹرمپ کے دورۂ سعودیہ، قطر اور امارات میں عمل میں لایا جائے گا۔ آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان ممالک کے حکمرانوں کے ان دنوں گروپ فوٹو چھپ رہے ہیں۔ ان میں یہ بات بڑے کھلے انداز میں کہی جارہی ہے کہ اب یہ سب کچھ ہونے جارہا ہے۔

اسرائیل کی بھی ہر ممکن کوشش یہی ہے کہ ڈونلڈ ٹرمپ کے موجودہ دورۂ مشرق وسطیٰ سے پہلے فلسطینی نام کی کسی بھی مخلوق کو، جسے نیتن یاہو اور سابق امریکی وزیر خارجہ بلنکن ''انسانی جانور'' کہتے رہے ہیں، قرطاس ارض پر باقی رہنے نہ دیا جائے۔ ان کے خاتمے کے لیے بموں، میزائلوں اور راکٹوں کا استعمال کیا جائے اور جو کام باقی بچ رہے وہ ان کو بھوکے پیاسے رکھ کر مکمل کرلیا جائے۔ اس کے بعد جس قدر باقی بچ رہیں گے، ان کو اردن، مصر، شام اور سوڈان دھکیل دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی نگرانی میں تیار ہونے والا یہ منصوبہ بہت خطرناک ہے۔ اس پر عمل درآمد کے لیے اردن میں ایک پیش بندی یہ کی گئی ہے کہ وہاں اخوان المسلمون پر پابندی لگادی گئی ہے۔ یہ غالباً کسی ایسی ہدایت کا نتیجہ ہے جو شاہ عبداللہ کو دورۂ واشنگٹن پر دی گئی ہے۔ اس کی صورت جو بھی ہو، حالات اب امریکہ اور اسرائیل کی گرفت نکلنے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔

اسرائیل کے شین بیت کے سربراہ نے 15 جون کو مستعفی ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے نیتن یاہو سے غزہ پر اختلافات اور بعض وزراء کے مبینہ طور پر ان کے کام میں مداخلت بتائی ہے۔۔ اس وقت اسرائیل میں بہ یک وقت وزارت عظمیٰ کے امیدواروں میں سموٹریک اور اتمار بن غفیر بھی شامل ہو چکے ہیں۔

بنیامین نیتن یاہو اپنی آخری اننگز کھیل رہے ہیں۔ بدعنوانی کے مقدمات ان کے منتظر ہیں۔ ان کی جنگی کابینہ سے نکالے گئے وزیر دفاع بھی وزارت عظمیٰ کی مہم چلا رہے ہیں۔ ان سب کے پاس غزہ کا کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ کوئی ایسا طریقہ ہو، جس سے ان کے دشمن فلسطینی کو مکمل طور پر صاف کردیا جائے۔ لیکن لاکھوں فلسطینی کسی طرح سے مارے جائیں یا نکال دیے جائیں، کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا۔

حماس کہہ رہی ہے کہ وہ سارے اسرائیلی یرغمالی ایک ساتھ رہا کرنے پر آمادہ ہے۔ اس کی شرط ہے کہ اسرائیل غزہ خالی کردے، فلسطینی قیدی رہا کردے۔ وہ اس کے بدلے میں غزہ میں سرنگوں کے نظام کو دوبارہ بحال نہیں کرے گی، وہ اپنے ہتھیاروں کو پھر قابل استعمال بنائے گی۔

اسرائیل کے عوام کو علم ہے کہ نیتن یاہو یرغمالیوں کی رہائی سے خار کھاتے ہیں۔ اس لیے وہ مختلف بہانے کررہے ہیں۔ حماس نے سارے یرغمالی رہا کرنے کا اعلان کر کے اور غزہ میں کسی بھی جہادی تنظیم کے انتظام سنبھالنے کی بات کر کے پیغام دیا ہے کہ وہ اپنے ہتھیاروں سمیت جو اہ جیسے بھی ہیں، موجود رہے گی۔

ان حالات میں ابراہان معاہدوں کا ڈول ڈالا گیا تو ابتداء سے ہی مشکلات سے دوچار ہوگا۔ عرب ممالک کے لیے حالات سخت سے سنگین ہو سکتے ہیں۔ مسلم ممالک کے ردعمل سے بچنے کے لیے کوشش ہو رہی ہے کہ ایک غیر عرب مسلم ملک کو بھی ابراہان معاہدوں میں شامل کرلیا جائے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

کے مصداق بے یقینی میں بے یقینی ہے لیکن غیب کے پردے سے فلسطین کی تبدیل شدہ لیکن زندہ تصویر ابھرنے کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔

تجزیہ: منصور جعفر

غزہ جنگ کون جیتے گا، اسرائیل، امریکہ یا حماس؟

اب تک 530 دنوں پر پھیلی اس غزہ جنگ کے ساتھ ساتھ ٹرمپ کے امریکی صدر بننے کے بعد ایک اور اہم پرت یہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ وہ غزہ سے فلسطینیوں کے 'مکمل' صفائی کا اعلان ہے۔ جس کا اظہار صدر ٹرمپ نے وائٹ ہاؤس میں دوبارہ پہنچ کر ابتدائی دنوں میں ہی کر دیا تھا۔

غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ کے پرت کھلنے کا سلسلہ جاری ہے۔ جن سے یہ اب زیادہ صاف دکھنے لگا ہے کہ غزہ میں فلسطینیوں کے خلاف ایک تباہ کن جنگ اسرائیل اور اس کی فوج نے لڑی ہے۔ لیکن اس کے اصل کرداروں کا تاریخ جب تعین کرے گی تو امریکہ و اتحادیوں کے نام نمایاں ہوں گے۔

ایسا اس حقیقت کے باوجود ہوگا کہ امریکہ جنگ نہ لڑ کر جیتنے اور لڑ کے ہار جانے کا ایک وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال افغانستان کی ہے۔ امریکہ نے سوویت یونین کے خلاف جنگ پاکستان کے اداروں اور عسکری ویژن و مہارت سے جیتی۔ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکہ براہ راست شریک نہ تھا۔ بلکہ پاکستان اور اس کے اداروں اور افغان مجاہدین نے لڑی تھی۔ مگر جب سوویت یونین کو شکست کے بعد دریائے آمو کے پار واپس جانا پڑا تو امریکہ نے بڑی خوبصورتی سے اس جنگ کی فتح کا کریڈٹ اپنے نام کر لیا اور پاکستان کے حصے میں دہشت گردی ڈال دی۔

نائن الیون کے بعد افغانستان میں امریکی جنگ تھی۔ مگر بیس سال پر پھیلی اس تباہ کن جنگ اور امریکی قیادت کے لیے بھی مہلک جنگ کے باوجود اگست 2021 کو جس طرح امریکہ کو انخلا کرنا پڑا وہ امریکی فتح قرار نہیں دیا گیا۔

لیکن جس طرح غزہ میں امریکی سرپرستی میں امریکی اسلحے کے ساتھ اسرائیل نے جنگی تباہ کاری کی بدترین مثال قائم کی اور بعد ازاں جنگ بندی کا پہلا مرحلہ ہونے پر از سر نو امریکی مشورے و تائید کے ساتھ دوبارہ جنگ مسلط کی ہے، اس سے بھی اس جنگ کی حتمی فتح یا شکست کا کریڈٹ امریکہ کو دیے بغیر مؤرخین آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ یوں افغان جنگ کی ناکامی اگر جو بائیڈن نے اپنے اور ڈیموکریٹس کے کھاتے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا تو صدر ٹرمپ جو جنگیں ختم کروانے کے نعروں کے دوش پر دوبارہ وائٹ ہاؤس پہنچے ہیں۔ وہ بھی اس غزہ جنگ کی فتح یا شکست کا حتمی تمغہ سجائے بغیر وائٹ ہاؤس سے نہیں جائیں گے۔

امریکہ غزہ جنگ لڑنے کا براہ راست کریڈٹ اور ٹائٹل لے یا نہ لے وہ اس جنگ کی جیت کا تمغہ افغانستان کے بعد ضرور اپنے سینے پر سجانے کا خواہاں ہے۔ اس لیے اگر

اسرائیل جیتا تو امریکہ اپنی جیت کے طور پر پیش کرنے کی خواہش ضرور رکھے گا تا کہ یورپ اور مشرق پر اپنی بالا دستی اور غلبے کو ایک بار پھر راسخ ظاہر کر سکے۔

اب تک 530 دنوں پر پھیل چکی اس غزہ جنگ کے ساتھ ساتھ ٹرمپ کے امریکی صدر بننے کے بعد ایک اور اہم پرت یہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ وہ غزہ سے فلسطینیوں کے 'مکمل' صفائے کا اعلان ہے۔ جس کا اظہار صدر ٹرمپ نے وائٹ ہاؤس میں دوبارہ پہنچ کر ابتدائی دنوں میں ہی کر دیا تھا۔ مصر اور اردن اور بعض دیگر مقامات پر فلسطینیوں کی غزہ سے لاکھوں کی تعداد میں منتقلی اس پرت کی ادھوری کہانی ہے۔

اس پرت کا دوسرا حصہ جو کہ اصلاً اس کا پہلا حصہ ہے وہ اس کے پیچھے موجود سوچ پر مبنی ہے۔ یہ سوچ صدر ٹرمپ کے پہلے دور صدارت میں 2017 میں سامنے آئی تھی۔ جب ایک تعمیراتی کمپنی نے اس ویژن کو Connected Gaza کے نام سے پیش کیا تھا۔ مسلسل اسرائیلی آتش و آہن کی زد میں رہنے والے اس غزہ کو جسے امریکہ کے زیر سرپرستی فیصلے اور اقدام کرنے والے اسرائیل نے ناکہ بندیوں سے مسلسل دنیا سے کاٹ رکھا ہے۔ اس کے لیے ایک تعمیراتی کمپنی کا Connected Gaza کے تصور کو سامنے لانا حیران کن تھا۔

حیران کن اس لیے کہ اگر یہ فطری سوچ اور درست سمت میں فیصلے کی بنیاد پر سامنے آتی تو اہل غزہ کو کم از کم مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم تک کو جوڑنے کا عمل سامنے آتا۔ اسرائیل کے اندر کھڑی کی گئی 708 کلومیٹر پر پھیلی کنکریٹ کی دیوار کو اسرائیل گرانے پر آمادہ نظر آتا۔ اسرائیل پس و پیش کرتا تو امریکہ کی طرف سے کوئی زبانی کلامی کوشش، کوئی سفارتی حرکت ہی نظر آتی۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ البتہ ایک نجی تعمیراتی کمپنی نے ایک تعمیراتی منصوبہ ضرور پیش کر دیا۔ ایسا منصوبہ جس میں آف شور بندرگاہ سے لے کر ایئر پورٹ اور سڑکوں کے ایک خوبصورت جال کے علاوہ فلک بوس خوبصورت عمارات کا نقشہ تھا۔ امارات کے برج خلیفہ اور سعودی عرب کے مکہ ٹاور کی طرح جسے امارات اور سعودی عرب اپنی شناخت اور ترقی و خوشحالی کی شان کے طور پر دیکھتے ہیں۔

اس 'تفہیم' پر بعد ازاں مئی 2024 میں نتن یاہو کے دفتر سے بھی ایک خاکہ سرکاری تصدیق کے بغیر لیک کیا گیا۔ گویا غزہ کو بحر متوسط کے کنارے ٹرمپ کے 'غزہ ریوی ایرا' کے موجودہ تصور کی جڑیں کہیں اور بھی موجود ہیں۔

غزہ ریوی ایرا کا یہ پرت ایسا ہے کہ اس کے اثرات مشرق وسطیٰ کے خوشحال ملکوں پر پڑنے کا خدشہ لازمی ہے۔ یہ آج کے دبئی اور کل کے نیوم سٹی کی موجودگی میں امریکہ و اسرائیل کی معاشی، سیاحتی، سمندری اور عسکری آشاؤں اور منصوبوں میں رنگ بھرنے کا موجب بنے گا۔

فلسطینیوں سے 'پاک' اس 'غزہ ریوی ایرا' کو تصوراتی اعتبار سے دبئی جیسے پوٹینشیل کا حامل سمجھنے کا ایک تازہ اظہار آٹھ مارچ 2025 کو بھارتی اخبار انڈیا ٹوڈے میں اسرائیل کی سابق رکن پارلیمنٹ ڈاکٹر اینات ولف نے کر دیا ہے کہ 'غزہ ریوی ایرا میں دبئی کا پوٹینشیل موجود ہے۔'

یہ غزہ ریوی ایرا صرف ڈونلڈ ٹرمپ کے ریزارٹس کے دیرینہ ویژن اور دنیا بھر کے امرا کی تفریح گاہ کے لیے ایک ندی کنارا نہ ہوگا بلکہ اس میں ایک اندازے کے مطابق 7.1 ارب بیرل موجود تیل کا خزانہ اور وسیع پیمانے پر موجود شمسی توانائی کے وسائل کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ اہم بحری اڈہ بننے کے سارے امکانات موجود ہیں۔ یہ اہم تر تجارتی راستے سے بھی جڑا ہونے کے ناطے چین کے تجارتی عزائم کی راہ میں بھی رکاوٹ بن سکتا ہے اور مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات اور اسرائیلی تحفظ کی ضمانت بھی۔ اس کی تکمیل کا ابتدائی خواب 2035 میں دیکھا گیا ہے۔ جبکہ نیوم سٹی 2030 میں اپنی تکمیل کی کافی منزلیں طے کر چکا ہوگا۔ یہ نیوم کا متبادل بننے کا پوٹینشل رکھتا ہے یا نہیں فی الحال اس پر ماہرین اور اسرائیلی و امریکی خاموش ہیں!

اب ایک اور پرت دیکھتے ہیں۔ اسرائیل کا جنگ بندی معاہدے کے بعد از سر نو جنگ شروع کرنے کا راستہ اسے کافی منافع بخش نظر آنے کی امید پیدا ہو رہی ہے۔ یہ امید اس کے باوجود لگ رہی ہے کہ کئی یورپی نمائندوں ہی نہیں خود اسرائیل کے اپنے عسکری ماہرین اور عوام کی بڑی تعداد بھی اسرائیل کے دوبارہ ایک تباہی پھیلانے والی جنگ میں کودنے کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ مگر اسرائیل کے لیے اطمینان و راحت انگیز بات یہ ہے کہ امریکہ ٹرمپ کی قیادت میں اسرائیل کے لیے ایک بڑے بلکہ سنہرے موقع کی طرح موجود ہے۔

دوسری خوش قسمتی اسرائیل کی یہ ہے کہ اس کے خلاف کہیں سے کوئی بڑی مزاحمت نہیں ہے۔ جو مزاحمتی آواز مسلم دنیا یا عرب ملکوں کی طرف سے اٹھتی ہیں وہ اٹھتے ہی ڈوب جانے اور صدا بصحرا ہونے کا خوب پوٹینشیل رکھتی ہیں۔

یہ خوش قسمتی اسرائیل کی اس لیے بھی ہے کہ عرب و مسلم دنیا کی ساخت و حکمت اس کے بنیادی عناصر ترکیبی اور گھٹی میں شامل ہیں کہ یہ ریاستیں جن کی تعداد 50 سے زائد ہے، بہر صورت امن چاہتی ہیں۔

دوسرے سال میں داخل ہو چکی غزہ میں لڑی جانے والی جنگ میں امریکہ و اسرائیل کے اس خواب کی تکمیل ہونے کا بڑا امکان ہے کہ غزہ کو فلسطینیوں سے 'پاک' ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ٹرمپ اور نیتن یاہو کے مشترکہ ہدف میں فوری رنگ بھرنے میں اگر کچھ حکمت کے تقاضے آڑے بھی آ گئے تو وقت ضائع نہ کرنے کی حکمت عملی بروئے کار ہے۔ اس حکمت عملی کے تحت نہ صرف یہ کہ ان سارے امدادی اداروں اور امداد و خوراک کی تقسیم کرنے والی تنظیموں کو ناکہ بندی سے روک دیا گیا ہے، جو بے گھر لاکھوں خواتین اور بچوں کو خوراک اور زندگی کی امید دے سکتے ہیں۔

اسرائیل شروع سے خواتین اور خصوصاً حاملہ خواتین کو ترجیحاً قتل کرنے کی حکمت عملی رکھتا ہے۔ اسرائیلی حکمت ساز اور فیصلہ ساز سمجھتے ہیں کہ اس طرح ایک گولی سے دو جانیں بیک وقت لی جا سکتی ہیں۔ ایک بننے والی ماں کی اور پیدا ہونے والے فلسطینی بچے کی۔ فلسطینی شیر خواروں کو دودھ کی فراہمی میں مدد دینے والی این جی اوز کو روکا جانا بھی اس سلسلے کی کڑی اور خیموں میں بسے بچوں اور ان کی ماؤں کو ہدف بنا کر بمباری کرنے کا بھی یہی مقصد ہے، اس میں بلا رکاوٹ کامیابی اسرائیل کے لیے خوش آئند ہے۔

سفارتی میدان میں بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کوئی بڑی رکاوٹ نہیں رہی ہے۔ ابراہم معاہدے کے سلسلے میں پیش رفت کی امید کل پھر سے توانا ہو رہی ہے۔ متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ کی اپنے اسرائیلی ہم منصب سے حالیہ ملاقات اسرائیل کے لیے حوصلہ افزا اور امریکہ کے لیے اطمینان بخش ہے۔ ایران کی عسکری سکت کم ہو گئی ہے۔ شام اور لبنان سے بھی خطرہ نہیں۔

پاکستان سفارتی میدان میں ایک پیرو کار ملک کے طور پر کسی ایسی سمت میں جانے کا کوئی اشارہ نہیں دیتا جو اسرائیل کے لیے مشکلات بڑھانے والی ہوں۔ ترکیہ کے اپنے مسائل ہیں۔ ملائیشیا سے کوئی خطرہ نہیں۔ عراق کمزور ہے۔ گویا غزہ جنگ کے سب پرتوں میں اسرائیل کو امید اور امریکہ کو میدان آسان نظر آنا فطری ہے۔

(بشکریہ: انڈیپنڈنٹ اردو)

صہیونی عقوبت خانوں میں اذیتوں کا نشانہ بننے والے ڈاکٹر حسام ابو صفیہ

فلسطینی ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کی وکیل غید قاسم نے صہیونی جیلوں کے اپنے آخری دورے کے بعد بتایا ہے قابض صہیونی حکام نے ابوصفیہ پر بدترین تشدد کیا ہے۔انہوں نے میڈیا بیانات میں صہیونی حکام سے ڈاکٹر ابوصفیہ پر تشدد اور ان کے خلاف جرائم کا سلسلہ بند کرنے کا مطالبہ کیا۔

الجزیرہ مباشر کو اپنے بیانات میں غید قاسم نے انکشاف کیا کہ ابوصفیہ 25 مارچ کو اپنے آخری ٹرائل سیشن میں شرکت کے بعد سے جن سنگین حالات سے دوچار ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔

ابوصفیہ کی صورت حال کے بارے میں وکیل نے کہا کہ اسے کئی شدید حملوں اور مار پیٹ کا نشانہ بنایا گیا، خاص طور پر اس کے آخری مقدمے کے دن کے بعد جب عدالت نے دعویٰ کہا کہ وہ ایک غیر قانونی جنگجو ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ابوصفیہ کو ''6 اپریل کو ایک اور حملے کا نشانہ بنایا گیا، جب اس کا سر جیل کے اندر لوہے کے کھمبے سے ٹکرا گیا، جس سے اس کی پیشانی پر چوٹ آئی۔''

غید نے وضاحت کی کہ ابوصفیہ قابض اسرائیلی جیلوں میں غزہ کی پٹی کے قیدیوں کی طرح کے حالات کا سامنا کر رہے ہیں جس میں ''بھوک، اذیت، بدسلوکی، ظلم، توہین اور یہاں تک کہ بنیادی صحت یا طبی دیکھ بھال کا فقدان بھی شامل ہے۔''

انہوں نے کہا کہ ''عوفر جیل کے سیکشن 23 اور 24، جس میں غزہ کی پٹی سے قیدیوں کو رکھا گیا ہے، وہاں پر قیدیوں پر وحشیانہ حملہ کیا گیا، ان کے ہاتھ، پاؤں باندھے گئے، ان کے چہروں کو خصوصی دستوں نے روند دیا، اور ان پر بم پھینکے گئے۔''

وکیل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ''سخت سردی میں گدے اور کمبل ضبط کر لیے گئے، قیدیوں کو فرش پر سونے پر مجبور کیا گیا۔'' انہوں نے مزید کہا کہ بہت سے قیدیوں کے درجنوں کلو وزن کم کر چکے ہیں، جبکہ بہت سے جلد کی بیماریوں اور انفیکشن کا بھی شکار ہیں۔

خصوصی رپورٹ: رُبیٰ مَیسُون

ابتہال کی توانا آواز

"آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ AI (مصنوعی ذہانت) کو اچھائی کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن مائیکروسافٹ اسرائیلی فوج کو مصنوعی آلات فروخت کررہا ہے جن کی مدد سے صہیونی فوج فلسطینیوں کی نسل کشی کررہی ہے۔"

یہ حق گوئی کے الفاظ مراکشی نژاد ابتہال ابوسعد کے ہیں جو امریکی ٹیکنالوجی کمپنی 'مائیکروسافٹ' سے منسلک ہیں۔ ان کے یہ الفاظ نہ صرف کمپنی کو گراں گزرے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ صہیونیت نوازوں پر بم بن کر گر رہے ہیں۔ انہوں نے کمپنی کے مصنوعی ذہانت کے پروگرام کے شامی نژاد برطانوی مصطفیٰ سلیمان کو بھی آئینہ دکھایا اور ان کا اصل چہرہ پوری دنیا کے سامنے بے نقاب کرتے ہوئے دنیا کو بتایا کہ مصطفیٰ سلیمان کس طرح کمپنی کے دفاع کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرکے صہیونیوں کی آشیرباد حاصل کرنے کی گھٹیا کوشش کررہا ہے۔

اگرچہ ابتہال کا موقف صیہونی مجرم جنگی مشین کی حمایت میں مصنوعی ذہانت کی کمپنیوں کے جرائم کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں مگر یہ غزہ اور فلسطینی عوام کے ساتھ اخلاقی یکجہتی اور ان کے خلاف ہونے والے عمل کے سب سے اعلیٰ اظہار میں سے ایک ہے۔ ایک کمزور لڑکی کا دوٹوک انداز میں کمپنی کی فلسطینیوں کی نسل کشی میں سہولت کاری کو آشکار کرنا عالمی اداروں کی اخلاقی ذمہ داری کے حوالے سے بھی ایک پیغام ہے۔

ابتہال ابوسعد نے مصطفیٰ سلیمان اور مائیکروسافٹ کے سامنے یہ حق گوئی ایک ایسے وقت میں کی جب مسٹر مصطفیٰ ایک بڑے پروگرام میں کمپنی کی ٹیکنالوجی اور اس کی مصنوعی ذہانت کے آلات کی تعریف کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس موقعے پر ابتہال نے اسے یاددلایا کہ کس طرح مائیکروسافٹ صہیونی فوج کو جاسوسی کے آلات اور مصنوعی ذہانت کے پروگرام فراہم کرکے فلسطینیوں کی نسل کشی میں غاصب صہیونیوں کی مدد کررہی ہے۔

مائیکروسافٹ کے تمام ملازمین کو بھیجی گئی ایک ای میل میں اس نے اپنے احتجاج کی وجوہات بیان کیں انہوں نے کہا کہ "میرا نام ابتہال ہے اور میں مائیکروسافٹ میں AI پلیٹ فارمز ڈویژن میں 5.3 سال سے سافٹ ویئر انجینئر ہوں۔ میں نے آج بات کی کیونکہ میں نے دریافت کیا کہ کمپنی فلسطین میں میرے لوگوں کی نسل کشی کو فروغ دے رہی ہے۔"

انہوں نے مائیکروسافٹ اور اسرائیلی وزارت دفاع کے درمیان 133 ملین ڈالر کے معاہدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا، "اسرائیلی فوج کی جانب سے مائیکروسافٹ

کی مصنوعی ذہانت کے استعمال میں گذشتہ اکتوبر 7 سے پہلے کے مقابلے میں 200 گنا اضافہ ہوا ہے۔''

ابتہال نے وضاحت کی کہ: ''مائیکروسافٹ سافٹ ویئر کی فراہمی، کلاؤڈ سروسز اور اسرائیلی فوج اور حکومت کو مشاورتی سروس فراہم کر کے لاکھوں ڈالر کماتا ہے۔''

ابتہال کے موقف کی اہمیت

ڈیجیٹل میڈیا کے ماہر سعید حسونہ نے لکھا کہ ''ابتہال ابو السعد کا اسرائیل کے ساتھ مائیکروسافٹ کی ملی بھگت کو بے نقاب کرنے میں لیا گیا موقف کچھ بڑی ٹیک کمپنیوں کے پوشیدہ طریقوں اور انسانی حقوق پر ان کے اثرات کے بارے میں مقامی اور بین الاقوامی رائے عامہ میں بیداری پیدا کرنے میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔''

شہاب نیوز ایجنسی کے مطابق حسونہ نے مزید کہا کہ ''ابو السعد کے موقف نے عالمی ٹیکنالوجی کمپنیوں اور فلسطینیوں کے خلاف قابض اسرائیل کی خلاف ورزیوں کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالنے میں مدد کی ہے۔''

انہوں نے یہ واضح موقف عالمی کارپوریٹ سماجی ذمہ داری سے متعلق بنیادی مسائل کو اٹھانے کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارم کو مؤثر طریقے سے استعمال کرنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے۔

ڈیجیٹل میڈیا ماہر نے کہا کہ ''اس قسم کا انفرادی موقف دوسروں کو افراد اور گروہوں دونوں کو اسی طرح کے اقدامات کرنے اور بڑے کارپوریشنوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے وسیع تر منظم مہمات شروع کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ یہ قابض ریاست اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی حمایت میں ان کی ذمہ داری کے لیے قانونی اور میڈیا کے لحاظ سے جوابدہ ٹھہرایا جاسکتا ہے۔''

حسونہ نے سوشل میڈیا کے منظم استعمال کی حوصلہ افزائی کرنے پر زور دیا۔ واضح دستاویزات اور شواہد کی مدد سے اثر و رسوخ اور جوابدہی کے دائرے کو وسعت دینے، اس طرح کی ملی بھگت کو بے نقاب کرنے کے لیے سوشل میڈیا صارفین اور میڈیا کے پیشہ ور افراد کے درمیان تعاون کو بڑھانے پر زور دیا۔

واقعہ کی تفصیل

فلسطینی حامی ملازمہ ابتہال ابوسعد نے مائیکروسافٹ کے مصنوعی ذہانت کے سی ای او مصطفیٰ سلیمان کی اسرائیل کے ساتھ کمپنی کے تعلقات پر احتجاج کرتے ہوئے تقریر میں خلل ڈالا۔

یہ ٹیک انڈسٹری کی طرف سے اسرائیلی فوج کو AI ٹیکنالوجی کی فراہمی کے خلاف تازہ ترین ردعمل ہے، جس نے کمپنی کی 50ویں سالگرہ کی تقریبات میں خلل ڈالا ہے۔

مائیکروسافٹ کی ملازمہ ابتہال ابوالسعد نے سی ای او مصطفیٰ کی تقریر میں خلل ڈالتے ہوئے کہا، ''تم کو شرم آنی چاہیے، جس کے بعد مسٹر مصطفیٰ نے اپنی تقریر ادھوری چھوڑ دی۔''

ابتہال نے مزید کہا ''آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ AI کو اچھے کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن مائیکروسافٹ اسرائیلی فوج کو AI ہتھیار فروخت کر رہا ہے۔ 50,000 افراد شہید ہو چکے ہیں۔ مائیکروسافٹ ہمارے خطے میں اس نسل کشی کی مدد کر رہا ہے۔''

مائیکروسافٹ کی ایک دوسری ملازمہ وانیہ اجراول نے تقریب کے ایک اور حصے میں اس وقت خلل ڈالا جب گیٹس، بالمر، اور موجودہ سی ای او ستیہ نڈیلا اسٹیج پر تھے۔

مصنوعی ذہانت کمپنیوں کے جرائم

اس سال کے شروع میں ایسوسی ایٹڈ پریس کی تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مائیکروسافٹ اور 'اوپن اے آئی' کے مصنوعی ذہانت کے ماڈلز کو غزہ اور لبنان میں حالیہ جنگوں کے دوران بمباری کے اہداف کو منتخب کرنے کے لیے اسرائیلی فوجی پروگرام کے حصے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔

اس تحقیق میں 2023ء کے غلط اسرائیلی فضائی حملے کی تفصیلات بھی شامل ہیں جس نے ایک کار کو نشانہ بنایا تھا جس میں ایک لبنانی خاندان کے افراد شامل تھے، جس میں تین نوجوان لڑکیاں اور ان کی دادی شہید ہوگئی تھیں۔

فروری میں مائیکروسافٹ کے پانچ ملازمین کو اسرائیل کے ساتھ معاہدوں پر احتجاج کرنے پر نادیلا کے ساتھ ملاقات سے نکال دیا گیا تھا۔

مائیکروسافٹ میں اس کی اعلیٰ پروفائل اور تنخواہ کے باوجود مراکش کی ابتہال ابوالسعد نے ان سب کو مسترد کر دیا۔ وہ کمپنی کی سالانہ تقریب میں سب کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ نسل کشی اور مصنوعی ذہانت کے شعبے میں قابض ریاست کے ساتھ کمپنی کے تعاون کو مسترد کرتی ہے۔

مائیکروسافٹ کی اسرائیلی معاونت

برطانوی اخبار گارڈین نے ایک تحقیقات کی رپورٹ شائع کی جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ امریکی کمپنی مائیکروسافٹ نے غزہ کی جنگ کے دوران تکنیکی مدد فراہم کرنے کے لیے قابض اسرائیلی فوج کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط کیا۔

اخبار نے وضاحت کی کہ مائیکروسافٹ کی مصنوعات اسرائیلی فضائی، زمینی اور بحری افواج کے یونٹوں کے ذریعے استعمال کی جاتی ہیں۔ اسرائیلی وزارت دفاع نے مائیکروسافٹ کو انتہائی حساس اور خفیہ منصوبوں پر کام کرنے کا حکم دیا تھا۔

تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ غزہ جارحیت کے شدید ترین مرحلے کے دوران مائیکروسافٹ کی کلاؤڈ اور اے آئی ٹیکنالوجی پر اسرائیلی فوج کا انحصار بڑھ گیا تھا اور ہزاروں گھنٹے تکنیکی مدد فراہم کرنے کے لیے کم از کم 10 ملین ڈالر کے معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔

اسرائیلی وزارت دفاع کے ایک ''قابل اعتماد پارٹنر'' کے طور پر مائیکروسافٹ کو اکثر انتہائی حساس اور درجہ بند منصوبوں پر کام کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ کمپنی نے اسرائیلی فوج کو OpenAI کے GPT-4 ماڈل تک وسیع رسائی فراہم کی ہے۔ AI ٹول ڈویلپر کے ساتھ شراکت داری کی بدولت اس نے حال ہی میں فوجی اور انٹیلی جنس کلائنٹس کے ساتھ تعاون کی اجازت دینے کے لیے اپنی پالیسیوں میں تبدیلی کی ہے۔

ابتہال ابوالسعد کون ہے؟

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتہال ابوسعد مراکش کی انجینئر اور پروگرامر ہیں، جو 1999ء میں مراکش کے دارالحکومت رباط میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم رباط میں حاصل کی۔ 2017 میں مولائے یوسف ہائی سکول سے ریاضی میں ڈگری حاصل کی۔ پھر انہیں ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے سکالرشپ ملا۔ انہوں نے ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ اس کے بعد مصنوعی ذہانت میں مہارت حاصل کی اور مائیکروسافٹ میں کام کیا۔

ایک ایسے وقت میں جب بہت سے لوگوں نے ملازمت بچانے اور زیادہ تنخواہوں کے لیے اپنے ضمیر بیچ دیے ہیں ابتہال نے مائیکروسافٹ کے ساتھ ملازمت کو پاؤں سے ٹھوکر رسید کی۔

ابتہال کا پیغام پوری دنیا کے تمام طبقات کے لیے ہے۔ اس نے جو جرات دکھائی ہے وہ بڑی بڑی حکومتیں کرنے سے قاصر ہیں۔ ابتہال کا جرات مندانہ موقف نام نہاد عالمی انسانی حقوق کے علم برداروں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے۔ فلسطینیوں کی نسل کشی پر خاموش تماشائی نام نہاد مسلمان حکومتوں کو ابتہال سے عبرت سیکھنی چاہیے۔

خصوصی رپورٹ: رُبی میسُون

اسرائیل: فوجی ڈسپلن کے مقابلے میں بڑھتی مذہبیت

پاکستان یا کسی اور مسلم ملک کی فوج میں کہیں اسلامی کردار کی بات کرتا ہے تو دنیا بھر کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فوج ایک پیشہ ور ادارہ ہوتا ہے اور اسے پروفیشنل انداز میں ہی چلنا چاہیے۔ یہ بات عمومی طور پر کسی بڑی تنقید کے بغیر قبول اور تسلیم کی جاتی ہے۔

اگر اسرائیل کی مسلح افواج پر ایک نگاہ ڈال کر اس کا سرسری سا جائزہ لیا جائے تو گزشتہ چند سالوں سے اس میں بڑی اہم تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ محض جنرل رینک کے افسروں کو ہی لیا جائے تو بعض اہم نوعیت کی تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں۔

اسرائیل کی افواج کی حیثیت قابض افواج کی ہے۔ اس میں دیکھا جا رہا ہے کہ مضبوط اور مسلسل مذہبی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں فوج کے بدلتے تشخص کا ابھرنا تشویش کا باعث ہے۔ یہ تبدیلیاں موجودہ وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کے عہد اقتدار سے خاص ہیں۔ حکمران دائیں بازو کی مخلوط حکومت میں اسرائیلی فوجیوں کو ملنے والے عطیات میں تورات اور تالمود کے نسخے بڑی تعداد میں فوجیوں کو دیے جا رہے ہیں۔ اس سے فوج میں بڑھتے مذہبی اثر و نفوذ میں اضافہ ہو رہا ہے۔

سپاہیوں میں تورات اور تالمود کے نسخوں کی غیر فوجی تنظیموں کی طرف سے عطیہ کیا جانا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس میں یہ بات بہت اہم ہے کہ اسرائیلی فوج کی ہائی کمان کی طرف سے یہ دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ مذہبی رسومات کی ادائیگی میں باقاعدگی سے شریک ہوں۔ سپاہیوں سے زور دے کر کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی اقدار کا خاص طور پر اہتمام کریں۔ ان کے لیے انہیں مروجہ معاشرتی رسومات سے دور رہنا پڑے تو وہ مذہبی اقدام کی پابندی کریں۔

اس کے ساتھ ہی اسرائیلی فوج میں ایک نیا منظر دیکھنے کو مل رہا ہے۔ ماضی کی نسبت جرنیلوں کی سطح پر کی پاہ (Kippah) پہننے کا رواج بڑھ رہا ہے۔ یہ روایتی طور پر بنی کھوپڑی کے اوپر اوڑھی جانے والی مختصر سی ٹوپی ہے۔ یہ ٹوپی باقاعدگی سے یہودی عالم جن کو ربی (Rabbi) کہا جاتا ہے، وہ پہنتے ہیں۔ فوج میں اس کا رواج عام ہو رہا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس وقت 40 فیصد کے قریب جرنیل یہ ٹوپی اوڑھ رہے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں ہے کہ اسرائیلی فوج کا کردار اور تشخص دونوں مذہبی ہو رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ

رواج عام ہورہا ہے اورفوجی فیصلہ سازی میں ان کی وجہ سے فلسطینی اور عرب باشندوں پر فوج کے حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔

فوج کے اس بدلتے تشخص کے غزہ میں ان جرنیلوں کی طرف سے جارحیت بہت بڑھی ہے۔غزہ پر قبضے کے لیے جس منصوبے پر کام اور عمل ہورہا ہے، اسے جرنیلوں کا منصوبہ بھی کہا جاتا ہے۔جس کا اہم کام فلسطینیوں کو بم کے ساتھ ساتھ بھوک سے مارنا زیادہ بڑا ٹاسک کہا گیا ہے۔

غزہ میں جاری اسرائیلی فوج کے آپریشنز کے نام بھی مذہبی رکھے جارہے ہیں۔اس کی مثال آئرن سوارڈ یا آہنی تلوار ہے، اسی طرح سے شاروٹ بارزیل (Charvat Barzel) بھی اسی طرح کا نام ہے۔اس کی بنیاد عبرانی بائبل سے ملتی ہے۔اس کا مقصد جنگ کو مذہبی قانونیت دینا ہے۔ جنگ کو مقدس بنانا ہے۔بعض اوقات جنگ کو (Genesis War) بنانا ہوتا ہے۔یہ بائبل کے باب پیدائش (Genesis) کا حوالہ ہے۔ اسے یہودی تورات سے منسوب تعطیلات پر پڑھتے ہیں۔ اس سارے کام کا مقصد یہودیوں اور سپاہیوں کو یہ یقین دلانا ہوتا ہے کہ وہ مقدس مشن پر جارہے ہیں۔

فلسطینیوں اور عربوں کے خلاف کیے گئے فوجی آپریشنز اور جارحیت میں سے 81 آپریشنز ایسے تھے جو بائبل کے نام سے کیے گئے۔ ان میں یہودی مذہبی تصورات استعمال کیے گئے۔ بہت تعداد فوجیوں کی ایسی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ وہ خداوند کے مشن پر جارہے ہیں۔

ان علامات اور تبدیلیوں کو پوری طرح سمجھے بناء یہ ممکن نہیں ہے کہ اسرائیلی فوج میں مذہبی حوالوں کو جانا جاسکے۔تب ہی یہ ممکن ہے کہ یعالوف آیدرور اور حال ہی میں ریٹائر ہونے والے جرنیل ہرزی ہلیوی کے کرداروں کو جانا جاسکے۔ ان دونوں کے درمیان اسرائیلی فوج میں ابھرتے ہوئے سینئر افسروں کے مزاج اور کردار کو سمجھا جاسکے۔ یہ سب جنرل سٹاف کی اہم شخصیات ہیں۔آنے والے برسوں میں ان کی تعداد میں اضافے کا امکان ہے۔اس طرح ایک مبصر کے مطابق اسرائیل ایک ایسے مقام تک پہنچ رہا ہے جہاں پر اسرائیل کی فوج کو ایک دفاعی فوج قرار دیا جاسکے گا۔ اسے مذہبی اسرائیل کی دفاعی فوج کہا جائے گا۔اسے خداوند کی فوج کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ یہودی معاشرے کے تمام حصوں اور طبقات کی نمائندہ فوج نہیں رہے گی۔

اس تبدیلی کی ایک بڑی وجہ مذہبی فوجی اکیڈیمیاں ہیں۔ ان سے ایک نئی مقتدرہ سامنے آرہی ہے۔ یہ سب ایک نیٹ ورک کا حصہ بن رہی ہیں۔ اس طرح یہ ادارے افسروں کی نئی نسل تیار کررہے ہیں جن کے جذبات میں مذہبی جوش زیادہ ہے۔ وہ اسی مذہبی جوش کے ساتھ جنگی مہمات میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان میں مخالف کو تشدد سے مارنے کی خصلت زیادہ مضبوط ہورہی ہے۔ مذہب پر سختی سے قائم یہودی اس وقت فوج میں 13 فیصد ہیں۔ نئے آنے والے کیڈٹس میں یہ شرح 40 فیصد تک بڑھ رہی ہے۔ یہ افسر اب ٹریننگ کے مختلف مراحل میں ہیں۔ان کی تعداد 1990ء تک صرف 2.5 فیصد تھی جو 2008ء میں بڑھ کر 26 فیصد ہوگئی تھی۔

سابق جرنیل یعاکوف نیشنل سیکیورٹی مشیر بھی رہے ہیں۔ اسرائیل کی سلامتی پر ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے علاقائی سفارت کاری اور بین الاقوامی قانون پر بھی بات کی۔ وہ یروشلم سنٹر برائے پبلک افیئرز (JCPA) کی کانفرنس سے خطاب کررہے تھے۔

اسرائیل کی فوج میں ربی (Rabbi) کا کردار بھی بڑھ رہا ہے۔ وہ فوج میں یہودی شعور پیدا کرنے کی کوششوں پر کام کررہے ہیں۔ وہ یہودیت اور فوج کے یہودی کردار کو گہرا کرنے کے لیے کام کررہے ہیں۔ان کی نگرانی میں باقاعدہ سیشنز ہوتے ہیں۔ بعض مبصرین یہ سوال اٹھارہے ہیں کہ مستقبل قریب میں فوجی یہ دریافت کرنے لگیں گے کہ ربی کی بات مانیں یا جنرل کا حکم بجالائیں۔

جب فوجیوں کو تورات کے نسخے تحفے میں ملیں گے تو ان کی ذہن سازی کس طرح سے ہوگی۔جن فوجیوں اور افسروں نے غزہ میں مختلف آپریشنز میں حصہ لیا، انہیں کثرت سے مذہبی کتب اور عبادت کی شال دی گئیں۔اس طرح ان میں یہ سوچ پیدا کی گئی کہ غزہ جنگ اور دیگر یہودی جنگوں میں کیا مماثلت ہے۔فوجیوں کو سیمسن کے افسانوی کردار کی مثالیں دی جاتی ہیں کہ وہ فلسطین کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔فوجیوں پر زور دیا جارہا ہے کہ وہ خود کو اس افسانوی کردار میں ڈھالیں۔بعض ربی یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ غزہ جنگ بائبل کی جنگوں میں ایک نیا باب رقم کررہی ہے۔ان کی بہت سی ہدایات سے خون کی طلب جگائی جارہی ہے۔فوجی ان احکامات کی وجہ سے خون کے پیاسے ہورہے ہیں۔

اسرائیل کے متعدد سیاست دان اور ماہرین قانون اس صورت حال پر اپنی تشویش کا اظہار کررہے ہیں۔ وہ فوج میں مذہب کی طرف بڑھتے رجحانات اور فوجیوں کی نظری صفائی کو فکرمندی کا سبب قرار دے رہے ہیں۔نیتن یاہو کی لبرل مخلوط حکومت اس سمت میں فوج کے اندر اثرات سے خوش ہیں۔اس وجہ سے فوجیوں میں مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے میلان میں اضافہ ہورہا ہے۔اس میں ان کے لیے فکرمندی کی بات یہ ہے کہ فوجی اپنی پیشہ ورانہ تربیت سے غافل ہورہے ہیں۔

صورت حال: الیاس بیگ

خوراک، پانی اور ادویات سے محروم غزہ!! حالیہ جنگی سفاکیت کا انسان کش مظاہرہ!!

کتنی بار صہیونیت حماس کو آزمائے گی؟

کب تک اہل غزہ کا پیمانۂ زندگی آزمایا جائے گا؟

یہ وہ بنیادی دو سوال ہیں جن کا کوئی جواب امریکہ بہادر، مغرب اور ان کے ہتھیار اسرائیل کو اب تک مل نہیں سکا ہے۔ یہ بات اب اپنا مفہوم کھو چکی ہے کہ غزہ میں انسانی زندگی بہت ہی نازک صورت حال کے گرداب میں دھکیل دی گئی ہے۔ ہر گزرے دن کے ساتھ تل ابیب میں بیٹھے صہیونی لیڈر حکم جاری کرتے ہیں کہ ابھی غزہ کے ملبے میں ایک ذخیرۂ خوراک باقی بچا ہوا ہے جہاں سے خود خوراک کنٹرول کی جا رہی ہے، ادویات فراہم کی جا رہی ہیں، پانی کے بڑے بڑے ٹینک، خفیہ پٹرول اور گیس کیمپ کام کر رہے ہیں۔ ان سب کو تباہ کر دیا جائے۔

اس حکم نامے پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ غزہ پھر بے پناہ بم باری کی زد میں لایا جاتا ہے۔ ایک دوسرا حکم یہ بھی جاری کیا جاتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ ان انسانوں کو بھی اڑا دیا جائے جو اپنی بھوکی، ترستی، لرزتی زندگیوں کے گرد جمع ہیں۔

پھر بمباری لہر بن کے آتی ہے اور سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔ خوراک کے ذخیرے، ادویات کے مراکز اور سب کچھ تباہ کیا جاتا ہے۔ زمینی جاسوس سرگرم ہوئے ہیں اور صہیونیت کو اطلاع ملتی ہے، مصنوعی سیارے جائزہ لیتے ہیں اور پھر تباہی کا ایک اور منظر نامہ تشکیل پاتا ہے۔

اس سب کے باوجود نیتن یاہو سکرینوں پر نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی سانس باقی ہے، ابھی حماس زندہ ہے۔ اب بھی مزاحمت کر رہی ہے۔ اس کا دل کہتا ہے کہ یہ سلسلۂ مزاحمت تو جاری رہے گا جب تک مزاحمت ہتھیار پھینک نہ دے۔ اس لیے محاصرہ جاری رہے گا۔ اسے اب اٹھارہ برس ہونے کو آئے ہیں۔ یہ تو مزید اٹھارہ برس جاری رہے گا۔

اسرائیلی اور صہیونی لیڈروں کا کہنا ہے۔ ان کے بیانات روزانہ شائع اور نشر ہو رہے ہیں کہ غزہ میں کافی خوراک موجود ہے۔ حماس اس خوراک کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ وہ اس طرح غزہ میں فلسطینیوں کو اپنے

کنٹرول میں رکھنا چاہتی ہے۔ دوسری طرف غزہ میں لوگوں کے درمیان رہ کر کام کرنے والی اقوام متحدہ کی ایجنسیاں اس دعوے کی مسلسل نفی کر رہی ہیں۔ وہ زور دے کر کہہ رہی ہیں کہ غزہ میں خوراک کی شدید قلت ہے۔طبی سہولتوں کی فراہمی نہیں ہو رہی۔ پانی اور ایندھن دستیاب نہیں ہیں۔ ان ایجنسیوں کے دفاتر میں بھی ان سب اشیاء کی شدید قلت ہے۔

عالمی ادارے سی ایچ اے نے ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ شراکت دار اداروں اور افراد کا ماننا ہے کہ اسرائیل مسلسل حملے کر رہا ہے۔ ان میں اضافہ ہونے سے ہلاکتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔غزہ میں رہے سہے انفراسٹرکچر کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ انفراسٹرکچر بچی کچھی زندگی کو بحال اور برقرار رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اس دوران میں قابض صہیونی حکام بڑی ڈھٹائی سے بیانات جاری کر رہے ہیں کہ وہ غزہ کے خلاف بھوک کو بہ طور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام پر دباؤ بڑھاتے ہوئے حماس کی طرف سے مزاحمت کرنے والوں کو تنہا کر دیا جائے، وہ اپنے ہتھیار پھینک دیں اور اپنی محفوظ پناہ گاہوں سے باہر نکل آئیں۔ مبصرین کا خیال ہے کہ نہتے لوگوں پر ایسے ہتھکنڈوں کا استعمال اسرائیل کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اسرائیل کے امدادی راستوں، قافلوں پر مسلسل حملوں اور ناکہ بندی نے امداد دینے والی تنظیموں اور اداروں کے کام کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ بہت سے حلقے اب خود براہ راست امداد لے کر آنے سے کترا رہے ہیں۔ ان کے لیے اب یہ بات اہم رہ گئی ہے کہ جس چینل سے ہو سکے، امداد غزہ کے اندر لے جائی جائے۔ اس صورت حال کو بھی اسرائیل اپنے حق میں پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ اس کے وزیر اعظم نیتن یاہو کا بیان سامنے آیا ہے کہ امداد لے جانے پر کوئی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کے سیکیورٹی کے وزیر اتمار بن غفیر بھی اسی نوعیت کے بیانات دے کر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر بیان دے رہے ہیں کہ غزہ میں ان مقامات پر حملے کر کے تباہ کرنا ضروری ہے جہاں خوراک کے ذخائر ہو سکتے ہوں۔ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کہیں بجلی کا جنریٹر بھی دکھائی دے تو اسے میزائل سے اڑانا ضروری ہے۔ کسی جگہ پانی کا نظام چلانے کے لیے سولر سسٹم کام کر رہا ہو تو اسے تباہ کر دینا چاہیے۔

ان سخت اور غیر انسانی صورت حال میں جنگ بندی کی ایک نئی تجویز سامنے رکھی جا رہی ہے۔ یہ بھی سابقہ غیر منطقی تجاویز کا ہی تسلسل ہے۔ اب کہا جا رہا ہے کہ جنگ بندی کے لیے فلسطینی اپنے ہتھیار پھینک دیں اور خود کو غیر مسلح کر لیں۔ یہ تجویز اسرائیل نے دی ہے۔ مصر نے یہ تجویز حماس تک منتقل کی ہے۔ مصر نے بڑی بے شرمی سے حماس سے کہا ہے کہ وہ مزاحمت ترک کر دے اور ہتھیار اسرائیل کے حوالے کر دے۔ حماس کے راہنما سمیع ابو زہری نے اس پر ردعمل دیتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ ایسا کرنے سے پہلے کروڑوں سرخ لکیروں کو عبور کرنا ہوگا۔ اس پر بات چیت تو درکنار، سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ابھی تک حماس نے تجویز پر اپنے سرکاری ردعمل کا اظہار کرنا بھی مناسب خیال نہیں کیا ہے۔

بعض غیر مصدقہ ذرائع نے ایسا دعویٰ ضرور کیا ہے کہ ان کے اسرائیلی یرغمالی کوئی مسئلہ نہیں ہیں۔ انہیں کسی بھی وقت رہا کیا جا سکتا ہے۔لیکن ان کی ایک ہی بار رہائی صرف اس شرط پر عمل ممکن ہے کہ اسرائیل غزہ پر منظم نسل کشی کے حملے بند کرے۔ اسرائیل اپنی فوجیں غزہ سے مکمل طور پر نکال لے، امداد کو غزہ داخل ہونے دے اور غزہ کی تعمیر نو کے پروگراموں پر حملہ نہ کرنے کی یقین دہانی کرائے۔

بہت سے مبصرین اس پر کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل صرف وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ غزہ میں جاری فلسطینی نسل کشی کو جس حد تک ہو سکے، مکمل کر سکے اور اس طرح سے فلسطینی مزاحمت کو ختم کیا جائے۔ اسرائیل چاہتا ہے کہ دنیا کو تاثر دیا جائے کہ غزہ میں یرغمالیوں کے خاندان فلسطینیوں کو موقع دے رہے ہیں لیکن مزاحمت کرنے والے ایسا ہونے نہیں دے رہے۔

اس سے یہ مراد بھی لازمی طور پر نہیں لیا جا سکتا کہ اسرائیل اپنی تجاویز کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ اسرائیل کے لیڈر یہ ضرور جانتے ہیں کہ حماس کو غیر مسلح کرنا بہت بڑا ٹاسک ہے۔ اگر ایسا ہو سکے تو حماس کو اسی پوزیشن تک لے جایا جا سکتا ہے جس پر اس سے پہلے یاسر عرفات اور ان کی الفتح کو لے جایا گیا تھا۔ اس کے لیے یہ پروپیگنڈہ بھی زوروں پر ہے کہ حماس تیار ہے بس کچھ سر پھرے لیڈروں نے ماحول خراب کر رکھا ہے۔ اس طرح یہ کوششیں کی جا رہی ہے کہ الفتح کی طرح حماس بھی اسرائیل کے دفاع کی تنظیم میں ڈھل جائے۔

دوسری طرف حماس اچھی طرح سمجھتی ہے کہ الفتح کے ساتھ کیا ہوا اور اس کا کیا حال ہوا ہے۔ حماس کسی صورت میں الفتح دوم بننے پر آمادہ و تیار نہیں ہے۔ وہ اس نوعیت کے منصوبوں کو خوب جانتی ہے۔ مزاحمت کرنے والے جانتے ہیں کہ انہیں مزاحمت کا حق مسلمہ اصولوں کے تحت حاصل ہے اور اسے بین الاقوامی طور پر تحفظ بھی حاصل ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور کنونشنز میں اس مزاحمت کو درست اور اسرائیلی وصیہونی قبضے کو ناجائز مانا گیا ہے۔ اسرائیل ایک جائز ریاست نہیں ہے۔ یہودی آبادکار دنیا سے لائے جا رہے ہیں۔ فلسطین ان کا وطن ہرگز نہیں ہے۔

مزاحمت کرنے والے اپنی تاریخ کو 1948ء کے واقعات کے تناظر میں دیکھتے ہیں، تب بھی انہوں نے عربوں پر اعتماد کر کے دیکھا تھا اور دھوکہ کھایا تھا۔ ان کے دفاع کے لیے عربوں کی کوئی فوج نہیں آئی تھی۔ وہ اس زخم کو بھی نہیں بھولے کہ انہیں لبنان اور قانا میں صابرہ اور شاتیلا کے کیموں میں بھی مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔

حماس کے سامنے فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ ہونے والا سلوک بھی ہے۔ جہاں مغربی کنارے کے ایک چھوٹے سے علاقے میں اسرائیل کے تحفظ کا مقدمہ محمود عباس اور ان کے حواری محض اس لیے لڑ رہے ہیں کہ وہ اسرائیلی قبضے کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں اتھارٹی کے وزیر اعظم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے سے ایک یہودی آبادکار روک سکتا ہے۔ کوئی بھی انتہا پسند یہودی آبادکار اٹھتا ہے اور پورا فلسطینی گاؤں جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسے سزا دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ایک پتھر پھینکنے والا فلسطینی لڑکا قتل کر دیا جاتا ہے۔

مزاحمت کرنے والے کسی بھی فلسطینی کے پاس سینکڑوں وجوہات ہیں کہ وہ کیوں مزاحمت کر رہا ہے۔ اس کے لیے ہتھیار پھینکنا کوئی آپشن نہیں ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ہتھیار رکھ دیے جائیں یا مزاحمت جاری رکھی جائے، اسرائیل کا آپشن صرف ایک ہی ہے کہ فلسطینی جہاں بھی نظر آئے، مار دیا جائے۔ فلسطینی صاف طور پر کہتا ہے کہ وہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ابو زہری کا کہنا ہے کہ ہم مزاحمت جاری رکھیں گے۔ کسی بھی طرح اپنے مجاہد کی کمر پر وار کریں گے اور نہ ہونے دیں گے۔ حماس ہتھیار نہیں پھینکے گی۔

میڈیا واچ: لمیس تغرید

مسجد الاقصیٰ قبلۂ اوّل

جائے امامت سرورِ انبیاءؐ پنجۂ یہود میں ہے ازلی سجدہ گاہ

سرزمین انبیاء: عبدالمعز

گزشتہ دس برسوں میں پہلی بار ایسا ہوا ہے۔
فلسطین کو یہودیانے کی نیتن یاہو پالیسی میں قانون، اخلاقیات اور دین و مذہب کے تمام اسلوب، تقاضے اور آداب یکسر پامال کر دیے گئے۔ یہ پہلا سال ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے سے جبری طور پر روک دیا گیا۔
اعتکاف کا عمل ایک بے ضرر عمل ہے۔ اس میں رمضان المبارک کے تیسرے عشرے یعنی آخری دس دنوں میں مسلمان صرف اپنے رب کے حضور خود کو خالص کرتا ہے، عبادت میں مشغول رہتا ہے، نوافل کی کثرت کرتا ہے، تلاوت قرآن حکیم میں وقت صرف کرتا ہے۔
مسجد اقصیٰ میں اعتکاف ہر مسلمان کی بالعموم اور فلسطینی مسلمان کی بالخصوص خواہش اور تڑپ ہوتی ہے۔ اس رمضان المبارک میں نیتن یاہو کی جانب سے ہدایات کے تحت کسی بھی فلسطینی کو مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے جبری طور پر روک دیا گیا۔ دوسری طرف یہودی آباد کاروں کو فوج اور پولیس کی نگرانی اور سیکیورٹی میں مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ نیتن یاہو حکومت کے یہ نئے اقدامات مسجد کو مکمل طور پر یہودیانے کے اقدامات تھے۔
یہ اقدامات آخری مرتبہ غزہ جنگ 2014ء میں کیے گئے تھے۔ اس وقت صرف جمعہ اور ہفتہ کی شب دو راتوں کے لیے اعتکاف کی اجازت دی گئی تھی۔ 2015ء سے ہر سال آخری دس دنوں کے اعتکاف کرنے دیا گیا۔ سال 2020ء میں اعتکاف کرنے نہیں دیا گیا تھا۔ اس سال مسجد کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا تھا۔ کسی کو بھی یہودیوں سمیت آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ تب کہا گیا تھا کہ دنیا بھر میں پھوٹ پڑنے والے مرض کرونا سے بچاؤ کے لیے مسجد بند رکھی گئی ہے۔
مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ بیت المقدس پر تحقیق و مطالعہ سال بھر جاری رہتا ہے۔ اس سال بھی تحقیق اور پی ایچ ڈی مقالہ لکھنے والے ایک صاحب نے لکھا کہ قابض صہیونی افواج نے ایسے ہتھکنڈے نافذ کیے ہیں کہ اس سال اعتکاف کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ یہ دراصل مسجد اقصیٰ پر یہودی و صہیونی غلبے کو مکمل کرنے کے یاہو حکومت کے خصوصی اقدامات کا حصہ ہے۔ اس کی فوجی موجودگی یہاں بڑھا دی گئی ہے۔ مبصرین نے اس صورت حال پر اپنے تبصروں میں لکھا ہے کہ فلسطینی زائرین میں اضافہ ان ناجائز پابندیوں کے خاتمے کا نکتہ آغاز ثابت ہوگا۔
فلسطینی زائرین کی تعداد میں اس سال غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ان میں تمام ممکنہ خطرات کے باوجود خواتین کی تعداد ماضی کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس تعداد میں زائرین کے آنے اور اعتکاف کرنے والوں کے ساتھ کھڑے رہنے سے اس عزم کا بھی اظہار ہوا ہے کہ مسجد پر قبضے اور زیر زمین کھدائی کے کسی بھی منصوبے کو کامیاب ہونے

نہیں دیا جائے گا۔ اس طرح سے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی۔

اس مرتبہ مسجد کو اعتکاف کرنے والوں کے لیے بند کرنے کی منصوبہ بندی کو بڑی تعداد میں زائرین کے آنے سے ناکام بنا دیا گیا ہے۔ قابض صہیونی فوج کی ہر کوشش کو ناکام بنایا گیا ہے۔ اعتکاف کے لیے فلسطینی مسلمانوں کو مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ گزشتہ سال 28 مارچ سے 9 اپریل 2023ء تک بھی فلسطینی مسلمانوں کو مسلسل جدوجہد سے اعتکاف کے لیے مسجد کے دروازے کھلے رکھنے پڑے تھے۔

گزشتہ سال قابض فوج نے یہ اقدامات اٹھائے تھے کہ کسی کو بھی اعتکاف میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس وقت رمضان المبارک میں ہر ہفتے جمعہ اور ہفتہ کو مسجد کھلے رکھنے کا پروگرام دیا گیا تھا۔ ہفتہ اس لیے شامل کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جمعہ کے مقدس ہونے کی طرح یہودی ہفتہ کو مقدس مانتے ہیں۔

گزشتہ سال یہ بھی ہوا کہ قابض فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ آخری دس روزوں میں فلسطینی مسلمانوں نے مسجد کھلی رکھنے کے لیے بہت جدوجہد کی۔ وہ مسجد میں مسلسل دس دن موجود رہے۔ پولیس اور فوج نے بار بار ان کو زبردستی مسجد سے نکالا۔ 4 اور 5 اپریل 2023ء کو فلسطینی مسلمانوں کو قوت کے استعمال کے ذریعے مسجد سے باہر نکالا گیا۔ یہ کوشش کی کہ مغربی کنارے کے مختلف علاقوں سے کسی کو مسجد آنے نہ دیا جائے۔ اس کا مسلمانوں نے حل یہ نکالا تھا کہ وہ بیت المقدس کے مشرقی حصہ سے بالخصوص بڑی تعداد میں اعتکاف اور نمازوں کی ادائیگی کے لے ی آئے۔

اسرائیل کی قابض فوج نے ان مسلمانوں پر لاٹھی چارج کیا، آنسو گیس کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جب ان ظالمانہ حربوں سے بھی فلسطینی زائرین روکے نہ جا سکے تو ان پر ربڑ کی گولیاں فائر کی گئی، حواس معطل کرنے والے بم پھینکے گئے۔

ادھر یہ اقدامات لیے جا رہے تھے، ادھر غزہ سے فلسطینی ہجوم کو دوران مزاحمت روکنے کے لیے طاقت استعمال کی جا رہی تھی۔ اس قوت کے استعمال کے باوجود فلسطینی مزاحمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ 9 اپریل کو فلسطینی مزاحتم عروج پر تھی۔ قابض فوج کو مجبور ہونا پڑا۔ وہ قبلی مسجد سے پسپا ہوگئی۔ بالآخر صہیونی فوج کو مسجد اقصیٰ مکمل خالی کرنا پڑی تھی۔

مسجد اقصیٰ کو کھلے رکھنے کے لیے اردگرد کی آبادیوں کے مسلمان اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری دس دن کے اعتکاف سے مسجد کو کھلا رکھنا ممکن نہیں ہے۔ اب مسجد کو رمضان المبارک کے پورے دنوں میں کھلا رکھا جائے اور تیس دنوں کا اعتکاف کیا جائے۔ اس کے لیے وہ جولائی 2014ء میں مسجد کو اعتکاف کی نیت سے مسلسل کھلے رکھنے کے تجربے کو پھر سے آزمانے پر غور کرنے لگے۔ یہی عمل 2015ء میں کیا گیا۔ رمضان کی یکم تاریخ سے ہی اعتکاف شروع کر دیا گیا تھا۔

اس بارے میں مسجد کو آباد رکھنے کے لیے فتویٰ جاری کیا گیا۔ اس فتویٰ میں قرار دیا گیا تھا کہ مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کی مسلسل موجودگی دنیا بھر کے مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ یہ محض فلسطینی مسلمانوں پر ہی غرض نہیں ہے۔ اس فتویٰ نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلا گروپ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو نسبتاً آسانی سے مسجد پہنچ سکتے تھے۔ ان پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی کہ مسجد کو یہودیانے اور ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی جاری کوششوں کی مزاحمت کرتے رہیں گے۔ فلسطینی مسلمانوں سے کہا گیا کہ ان کی مسجد میں خاطر خواہ موجودگی ہر وقت بہت ضروری ہے۔

دوسرے گروپ میں بقیہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو شامل کیا گیا۔ ان پر ذمہ داری عاید کی گئی کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کو ہر طرح سے اور ہر ممکن مدد بہم پہنچائیں گے تاکہ انہیں مسجد میں موجودگی رکھنے میں درکار وسائل دستیاب رہیں۔

فلسطین کے سکالرز نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ انہوں نے پیغام دیا کہ۔۔ اے اسلامیان القدس، اے اسلامیان مغربی کنارہ، غزہ اور فلسطینی مقبوضات! آپ پر لازم ہے کہ مسجد اقصیٰ کی جانب مارچ کیا جائے، اس کے لیے ہر رکاوٹ دور کی جائے۔ قابض فوج کے منصوبوں کو ناکام بنایا جائے۔

اس مارچ کا اصول یہ طے کیا گیا کہ مسجد اقصیٰ کے جس قریب ہوا جا سکے، اس کے لیے کوشش کی جائے جہاں نماز کا وقت ہو، وہیں نماز باجماعت کا اہتمام اور انتظام کیا جائے۔ اس کے لیے مسجد کے شیخ کا فتویٰ بھی پھیلایا گیا۔ یہ فتویٰ دیا گیا کہ مسجد کی جانب مارچ کرنے والے جہاں بھی مارچ کریں گے، ان کو جہاں بھی نماز پڑھنا پڑی، ان کو مسجد اقصیٰ میں ہی نماز ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔

ہر مسلمان سے یہ کہا گیا کہ مسجد اقصیٰ میں موجودگی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے قابض فوج کی پرواہ نہ کی جائے۔ قریب ترین مقام پر ہر صورت پہنچنا ہمارا فرض ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مفتی کے دستخط سے پیغام میں بھی اسی حکم کو دہرایا گیا کہ ہر صورت میں اور ہر مزاحمت کے باوجود اولین کام یہی کہ ''مسجد اقصیٰ جانا ہے۔'' یہی طریقہ ہے جس سے مسجد اقصیٰ پر قابض فوج کے ہر منصوبے کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ مسجد جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر فلسطینی کو مسجد کے صحت میں، برآمدوں میں، مرکزی ہال میں غرضیکہ ہر جگہ، ہر حال اور ہر حالت میں ہونا چاہیے۔

اس کام کرنے کے ٹاسک کے طور پر کہا گیا کہ رمضان المبارک کے لیے پہلے جمعہ کو مسجد پہنچنا ہے۔ پورے مہینے میں مسجد میں ہی رہنا ہے۔ اس کے لیے ضروری انتظام کر کے آیا جائے۔ اس پیغام پر کہا گ یا کہ 21 مارچ 2025ء کی تاریخ کو اصل ٹاسک سمجھا جائے۔ اس موقع پر ہانی الشاعر نے غزہ سے اپنے پیغام میں کہا کہ میرا گھر اور اہل خانہ سخت مشکلات سے دوچار ہیں۔ ہمارے پاس خوراک کا انتظام نہیں ہے۔ اس موقع پر اسرائیل نے شدید بمباری کی اور 430 مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ بڑی تعداد زخمی کر دی گئی۔ ان میں بچوں کی تعداد 180 تھی۔

ایک فلسطینی نے اس صورت حال پر کہا کہ اللہ ہی ہمارے حال کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ ہمارے پاس اب کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے۔ ہم سڑکوں اور گلیوں میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ بہت ہی خراب صورت حال ہے۔ ہر کچھ اچانک ہو جاتا ہے۔ ہمیں توقع بھی نہیں ہوتی اور مشکل آن موجود ہوتی ہے۔

ابھی اس صورت حال سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اسرائیل نے جنگ بندی معاہدے کے باوجود ہر قسم کی امداد کے غزہ میں داخلے کو روک دیا۔ برلن میں مقیم ایک فلسطینی رمیز کا غزہ میں کچھ لوگوں سے انسٹاگرام کے ذریعہ رابطہ تھا۔ انہوں نے معلومات کا تبادلہ کیا۔ اسرائیل کی طرف سے امداد پر پابندی کی دنیا بھر سے مذمت کی گئی۔ جرمنی، فرانس اور برطانیہ نے اس پابندی کو انسانی بنیادوں پر بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔

ان سنگین حالات میں مسجد اقصیٰ جانا بہت ہی مشکل ترین معاملہ ہے۔ مسجد میں اعتکاف کرنے والوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان مشکلات کا خاتمہ جلد ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے عالم اسلام کو کردار ادا کرنا ہوگا۔

گمنام ہیروز
طوفان کے سائے میں قیدیوں، زخمیوں اور شہیدوں کی حقیقت
مکتب شہداء، زخمی اور قیدی
قیدی
1948 سے اب تک فلسطینی عوام کے قیدیوں کی تعداد ایک ملین سے زائد ہے۔
آج بھی جیلوں میں تقریباً "10,000" قیدی موجود ہیں۔
مکتب شہداء، زخمی اور قیدی
زخمی
فلسطین میں 1948 سے لے کر اپریل 2025 کے وسط تک زخمیوں کی تعداد
زخمی: 291,815
مکتب شہداء، زخمی اور قیدی
شہداء
1948 سے لے کر اپریل 2025 کے وسط تک فلسطینی عوام کے شہداء کی تعداد
شہید: 150,288
99,223
1948 سے 2023 تک
51,605
7 اکتوبر 2023 سے اپریل 2024 تک
26,893
2023 کا خونی سال
22,430
2024 طوفان الاقصیٰ جنگ کے دوران
مکتب الشهداء والجرحى والأسرى
فلسطینی شہداء
شہداء کے قافلے رائیگاں نہیں جاتے جو چلتا ہے وہ ظلم ہے
150,288 شہداء
8,351
قابض جیلوں میں قانونی صورتحال
29 اسیرات (خواتین قیدی)
400 بچے (اٹھارہ سال سے کم عمر)
700 جیلوں میں بیمار قیدی
5 قانون ساز کونسل کے ارکان
3,498 انتظامی قیدی
1,471 جنگی قیدی
3,076 معطل
306 عمر قید سزا پانے والے قیدی
465 بچے قیدی
15,000 غزہ کی پٹی سے قیدی
9,792 قابض جیلوں میں فلسطینی قیدی
6,000 مقبوضہ مغربی کنارے کے قیدی
1,747 قیدیوں کی غیر قانونی جنگجو کے طور پر درجہ بندی
فلسطینی قیدی
1965 سے اب تک ایک ملین سے زیادہ گرفتاریاں
116,505
معرکہ الاقصیٰ 2023 سے اب تک:
پہلی انتفاضہ 1993-1987
دوسری انتفاضہ 2005-2000
جنگ الفرقان 2009-2008
جنگ حجارۃ السجیل 2012
جنگ العصف المأکول 2014
واپسی کے مارچ 2018-2019
سیف القدس کی جنگ 2021
175,310 زخمی
فلسطینی زخمی 291,815

خوردبین: اقراء فہد

اسرائیلی یرغمالی: سیاسی بساط پر نیتن یاہو کے کھلاڑی

اسرائیل کے وزیر اعظم بنجمن (بنیامن) نیتن یاہو کے سرکاری ترجمان عمر دوستری ہیں۔ وہ وقتاً فوقتاً اسرائیلی یرغمالیوں کے بارے میں بیانات دیتے رہتے ہیں۔ یہ ان کی سرکاری ڈیوٹی ہے۔ ان کا تازہ بیان شائع اور نشر ہوا ہے جس میں اسرائیلی عوام سے کہا گیا ہے کہ حماس کو تباہ کیے بغیر آخری یرغمالی کو گھر نہیں لایا جاسکتا۔ ترجمان نے حماس کی طرف سے جنگ بندی کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

اپنے بیان میں ترجمان نے کہا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ حماس کو غزہ میں کسی صورت بھی رہنے نہ دیا جائے۔ وہ مختلف رپورٹروں سے بات کر رہے تھے اور بتایا جا رہا تھا کہ آئندہ ہفتے نیتن یاہو امریکہ کے سرکاری دورے پر روانہ ہوں گے۔ یہ بیان 20 اپریل کی دوپہر 12:36 بجے جاری کیا گیا۔

اسرائیل کے سیاسی ماحول میں جنگ ایک ایسا موضوع ہے جس نے یرغمالیوں کے عزیز واقارب کے ساتھ ساتھ عام اسرائیلی پر بھی اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو آخری فلسطینی کے خاتمے اور یرغمالی کی واپسی تک جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ جنگ کے خاتمے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس میں آراء تقسیم شدہ ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جنگ جاری رکھنا نیتن یاہو کی سیاسی ضرورت ہے۔ اسی خیال کا حامی ایک طبقہ یہ رائے رکھتا ہے کہ جنگ بند کر کے مذاکرات کا عمل شروع کیا جائے۔ تاہم حماس کے ہاتھوں یہ سیاست بھی کافی حد تک یرغمال ہے۔

اب عملی صورت حال یہ ہے کہ نیتن یاہو کے سرکاری ترجمان عمر دوستری نے یرغمالیوں کے سوال پر کہا ہے کہ یرغمالیوں کی واپسی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر یرغمالی واپس لایا جاسکتا ہے۔ اس طرح یرغمالیوں کے عزیزوں کو داخلی طور پر شکست خوردہ بنایا جا رہا ہے کہ جو یرغمالی واپس نہیں آئے گا، ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارا ہی ہو۔

ان کے برعکس حماس کہہ رہی ہے کہ محض اس بنیاد پر اس معاملے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ کون واپس جائے گا اور کون نہیں جائے گا۔ یہ سوال اہم نہیں ہے۔ ہم ایک ہی مرتبہ سب کے سب یرغمالی واپس کر دیں گے۔ ہم جنگ میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل ضمانتیں فراہم کرے۔ اس بات کا اظہار عمر دوستری نے بھی کیا ہے کہ حماس مکمل جنگ بندی چاہتی ہے۔ یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

عمر دوستری سے یہ سوال بھی کیا گیا کہ اسرائیل کو ایران کے جوہری اثاثوں پر حملہ کرنے سے ڈونلڈ ٹرمپ نے منع کیا ہے۔ بل کہ ایک مبینہ حملے سے بھی روکا گیا ہے۔ اس بارے میں نیو یارک ٹائمز میں شائع رپورٹ کا حوالہ دیا

گیا تو دوستری نے اس سوال کا واضح جواب دینے سے انکار کر دیا۔ دوستری نے صرف یہ کہا کہ نیتن یاہو نے کئی بار کہا ہے اور اب بھی یہی مؤقف ہے کہ ایران کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ایٹمی ہتھیار تیار کر سکے۔

اس مؤقف پر یائرلیپڈ نے کہا ہے کہ دوستری کے بیان سے یہ اعتراف کیا جارہا ہے کہ اسرائیل یرغمالیوں کو واپس لانے کے ارادے سے ہی پیچھے ہٹ چکا ہے۔ ہمارے دل ان خاندانوں کے ساتھ دھڑک رہے ہی جو غزہ میں یرغمال ہیں۔ اس طرح کا ہر بیان ان کی دنیا میں زلزلہ برپا کر دیتا ہے۔

ترجمان نے متعدد میڈیا سنٹرز پر الزام لگایا کہ وہ مکمل طور پر دروغ گوئی اور جھوٹ پر مبنی رپورٹیں یرغمالیوں کی واپسی کے حوالے سے پھیلا رہے ہیں۔ وہ ان خاندانوں کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ لیکن امریکہ میں اپوزیشن پارٹی ڈیموکریٹس نے کہا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ نیتن یاہو میں اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ غزہ سے یرغمالیوں کو واپس لا سکے۔ اسے اقتدار سے نکل جانا چاہیے۔

اب اسرائیل میں یہ مطالبہ زور پکڑ رہا ہے کہ تمام یرغمالی ایک ہی مرتبہ واپس لائے جائیں۔ اب کہا جارہا ہے کہ حماس سے معاملہ بعد میں کیا جائے اور یرغمالی پہلے واپس لائے جائیں۔

دوستری کا کہنا ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ حماس کو ختم کیا جائے۔ یرغمالی بعد میں واپس لائے جائیں گے۔ دوستری نے کہا کہ 196 یرغمالیوں میں سے 147 زندہ ہیں۔ اس نے کہا کہ حماس کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ہم حماس کو شکست دینا چاہتے ہیں، وہ ہمارے عوام کے حواس سے کھیل رہی ہے۔

اس صورت حال میں ایک ڈرامائی تبدیلی یہ آئی ہے کہ اسرائیل 100 سے زیادہ کاروباری شخصیات نے نیتن یاہو سے مطالبہ کیا ہے کہ حالات کو معمول پر لایا جائے۔ عرب ملکوں سے ابراہام معاہدوں کے تحت مزاکرات کی راہ ہموار کی جائے۔ یہ مزاکرات آپریشن طوفان الاقصیٰ کی وجہ سے پس منظر میں چلے گئے تھے۔ ان شخصیات نے فاؤنڈیشن آف ریجنل سیکیورٹی (FRS) قائم کر لی ہے۔ اس کے سربراہ برگیڈئر جنرل اودی دیکال بنائے گئے ہیں۔ اسے انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل سیکیورٹی کے اندر قائم کیا گیا ہے۔ فلسطینیوں سے مزاکرات کرنے والی ٹیم کے سابق سربراہ لیان پولاک ڈیوڈ کو تزویراتی مشیر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ وزیراعظم آفس میں سابق مشیر رہے ہیں۔ ایک تیسری شخصیت کو بے ہیبر مین کی ہے۔ انہوں نے اسرائیلی اقدامات کی کونسل قائم کی تھی۔ ان تینوں کے علاوہ متعدد اور اہم اسرائیلی شامل ہیں۔

ان کے ایک مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ حالات نارمل کنے پر توجہ دینا ہوگی۔ ان کی الگ الگ ٹیمیں اردن اور فلسطینیوں سے مزاکرات کر رہی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سب ایک وقت میں حقیقی طور پر سعودی عرب سے حالات نارمل کرنے پر بات چیت کی حامی ہیں۔ یہ فاؤنڈیشن اسرائیل اور عرب ریاستوں کے مابین علاقائی سلامتی کے امور پر مزاکرات کر رہی ہیں۔ ان کے موجودہ دائرہ کار میں سیاسی معاشی، انفراسٹرکچر اور ٹیکنالوجی کے امور پر کام کرنا شامل ہے۔ اس پر اودی دیکال نے مثبت پیش رفت کا عندیہ دیا ہے۔ حماس کے آپریشن طوفان الاقصیٰ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسرائیل اور ان عرب ریاستوں بالخصوص سعودی عرب، اردن اور دیگر میں ان تعلقات کو فروغ دیا جائے۔ دیکال نے اسرائیلی میڈیا کے بارے میں افسوس کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہماری سرگرمیوں کو زیادہ توجہ سے پیش نہیں کرتا۔ دیکال نے کہا کہ ہمارا کام ایک تزویراتی اہمیت کا ہے جس سے اسرائیل کو خطے میں بہت اہم مقام مل پائے گا۔

بہ ظاہر ایک الجھی ہوئی صورت حال ہے۔ اس وقت عرب ریاستوں، نیتن یاہو حکومت اور امریکہ و اتحادیوں کی کوشش ہے کہ وہ سب:

ایک مشترکہ دشمن کے خلاف حکمت عملی تیار کریں۔ یہ دشمن کوئی اور نہیں ہے، حماس ہے۔

اس دشمن سے الفتح طرز کا معاملہ کرنا ممکن نظر نہیں آرہا۔ الفتح اپنے قدموں پر کھڑی رہتی، یاسر عرفات فلسطین میں ہی دفن ہونے کو ترجیح دیتے۔ اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر امریکہ و اسرائیل سے ''ڈیل'' نہ کرتے تو یہ دن فلسطینیوں کو دیکھنے نہ پڑتے۔

ایف بی آئی کے سروے دکھا رہے ہیں، ان کی سچائی کی سطح کے بارے میں کچھ کہنا ناممکن ہے، تاہم ایجنڈا یوں بنتا دکھائی دے رہا ہے کہ تمام یرغمالی واپس کیے جائیں، جنگ بندی مکمل ہو سکے، سعودی عرب اور اسرائیل کے تعلقات قائم ہوں تا کہ سعودیوں کو فلسطینیوں سے مکمل الگ تھلگ کیا جائے۔

ان حالات میں امریکہ کی قیادت میں مشرق وسطیٰ میں علاقائی سلامتی کا نظام قائم کیا جائے۔ یاد رہے کہ یہی نظام 1991ء کی گلف جنگ کے بعد بھی قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی تھی۔ حالاں کہ حماس کی صورت میں ایسے نظام کے لیے حقیقی چیلنج تب موجود نہیں تھا۔

حماس کا مضبوط نظام کسی بھی ایسی کوشش کو بالکل آغاز میں ہی ناکام بنا رہا ہے جس کا مقصد اس کی لیڈرشپ کو کرپٹ کرنا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کسی حماس لیڈر نے اب تک جلاوطنی اختیار نہیں کی۔ اس لیڈرشپ نے غزہ میں رہ کر شہادت قبول کی ہے، یہ کہیں بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اسے غزہ میں موجود لیڈرشپ کی حکمت عملی سے اختلاف ہے۔

اسرائیل اس صورت حال کو مختلف طرح سے دیکھ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عرب ریاستیں اب میدان میں آئیں۔ وہ اسرائیل سے تعلقات قائم کریں، اس صورت میں بالخصوص سعودی حکام کے سامنے آنے سے نہ صرف حماس کو اخلاقی شکست ہوگی، بل کہ غزہ کے عوام میں مایوسی کا حملہ کام کر جائے گا۔ دیکال کا تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس کے لیے علاقائی کرداروں سے بات چیت کر چکے ہیں۔ ہمیں اس بات چیت کا مثبت پیغام ملا ہے۔ ہم نے ان عرب ریاستوں سے بات چیت کے متعدد ذرائع پیدا کیے ہیں۔ دیکال کا تو یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس سلسلے میں بین الاقوامی برادری نے بھی مثبت پیغام دیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کا بڑا اثر یہ ہوگا کہ ایران کو کمزور کیا جا سکے گا۔ے دوسرا اثر یہ ہوگا کہ خطے میں علاقائی کرداروں کو مضبوط کیا جا سکے گا۔ اس سے اصل فائدہ یہ ہوگا کہ ابراہام معاہدوں پر تیزی سے آگے بڑھا جا سکے گا۔

دیکال کا مؤقف مان لیا جائے تو اس کا کہنا ہے کہ اسرائیل 7 اکتوبر 2023ء کو تزویراتی طور پر کامیاب ہو چکا تھا، اب یہ کامیابی بہت لازمی ہو گئی ہے۔ حماس نے تب حملہ کر کے دو سال دور کر دیا تھا۔

دیکال کا اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک عوام اس سے پوری طرح باخبر نہیں ہے۔ اس وقت یہ سب کچھ تزویراتی سطح پر ہو رہا ہے۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ حماس کو مکمل خاموش کرا دیا جائے تا کہ غزہ اور مغربی کنارے میں جنگ کو خطے میں نئے نظام میں تبدیل کیا جا سکے۔ اس صورت میں ایران کو نظر انداز کرنا فاش غلطی ہوگی جو سب سے بڑا اور خطرناک دشمن ہے۔ نیتن یاہو یرغمالیوں کا معاملہ ڈیل کرتے رہیں گے۔ یہ ان کی داخلی سیاست کے کھلاڑی ہیں۔

اعلامیہ: مجلس اتحاد امت پاکستان کے زیر اہتمام ''قومی کانفرنس''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک چائنا فرینڈ شپ سنٹر اسلام آباد میں مجلس اتحاد امت پاکستان کے زیر اہتمام

''فلسطین اور امت مسلمہ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے قومی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں پاکستان بھر سے دینی جماعتوں اور دینی تنظیمات کے صف اول کے قائدین شریک ہوئے۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل اعلامیہ کی منظوری دی گئی:

امریکہ اور اہل مغرب کی آشیر باد اور مکمل مادی، مالی اور حربی امداد کے ساتھ اسرائیل نے غزہ کے مظلوم فلسطینیوں پر رواں صدی کے سب سے تباہ کن مظالم ڈھائے ہیں، ماضی قریب کی تاریخ میں پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں سمیت تقریباً 55 ہزار افراد شہید ہو چکے ہیں، کم وبیش 2 لاکھ افراد شدید زخمی اور معذور ہو چکے ہیں اور 70 فیصد سے زائد علاقہ ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا ہے، شہری خدمات کا پورا ڈھانچہ تباہ و برباد ہو چکا ہے، بیشتر ہسپتال، تعلیمی ادارے، انتظامی اور رفاہی خدمات کے ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ یہ محض ایک جنگ نہیں، بل کہ فلسطینیوں کی کھلی اور منظم نسل کشی (Genocide) ہے۔

ایسا لگتا ہے عالمی ضمیر مر چکا ہے، اپنے وطن کی آزادی و خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد اور قاتلوں، ظالموں اور جابروں کو حق پر مبنی قرار دیا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ، سلامتی کونسل غیر مؤثر ہو چکے ہیں، امریکہ غیر مشروط جنگ بندی کی ہر قرارداد کو ویٹو کر رہا ہے۔ حقوق انسانی، حقوق نسواں، حقوق اطفال، عالمی عدالت انصاف اور دیگر عالمی ادارے مفلوج اور بے بس ہو چکے ہیں۔

ایسی صورت حال میں شرعاً ''الاقرب فالاقرب'' کے اصول پر تمام مسلم حکومتوں پر جہاد فرض ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں فلسطینیوں کی نصرت امت مسلمہ پر واجب ہو چکی ہے، قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مسلمہ فقہی اصول اس پر شاہد عدل ہیں۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا [النساء 75]

مسلم حکمران اور پوری امت اس کے لیے عنداللہ جوابدہ ہوگی اور اللہ کریم کے ہاں اس حوالے سے کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

اقوام متحدہ اپنی قراردادوں کے ذریعے 1967ء میں بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ فلسطینی علاقوں پر اسرائیل کے قبضے کو ناجائز، غاصبانہ اور غیر قانونی قرار دے چکی ہے، اسلام اور مسلمہ عالمی قوانین کی رو سے اپنے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا فلسطینیوں کا شرعی، قانونی اور اخلاقی حق ہے۔ عالمی عدالت انصاف غزہ میں اسرائیلی مظالم کو نسل کشی قرار دے چکی ہے اور جو ممالک اس وقت اسرائیل کی تائید وحمایت اور پشت پناہی کر رہے ہیں، وہ سب عالمی معاہدات اور عالمی میثاق کو توڑنے کے مجرم ہیں، لہٰذا فلسطین کے معاملے میں کوئی معاہدہ کسی مسلمان ملک کے لیے اس جہاد میں شرکت سے مانع نہیں ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اہل فلسطین کی مدد کے نام پر مسلم ممالک میں اصلاح احوال اور تبدیلی کے لیے حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد فساد فی الارض اور غیر شرعی، غیر آئینی اور غیر قانونی فعل ہے اور بغاوت کے زمرے میں آتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی کارروائیوں کا نتیجہ ہمیشہ امت میں تفریق اور زوال کا باعث بنا ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم فلسطینیوں کی بحالی کیلئے فوری فنڈ قائم کرے اور متاثرین تک اس کی ترسیل کا انتظام کرے۔

جن مسلم ممالک نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی و تجارتی تعلقات قائم کر رکھے ہیں، وہ غیر مشروط جنگ بندی تک ان تعلقات کو منقطع کریں، اپنے سفراء کو واپس بلائیں اور اسرائیلی سفراء کو ملک بدر کریں۔

جو عالمی ادارے اپنے فرائض ادا نہیں کر رہے مسلم ممالک ان کی رکنیت سے عارضی طور پر دستبردار ہو جائیں، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس فوراً طلب کیا جائے اور چونکہ پاکستان اس کا عارضی ممبر ہے، اس لیے وہ پہلے پہل کرے۔ اصولاً امت مسلمہ کی ترجمانی اور اس کے مطالبات کی تکمیل متعلقہ مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے، لیکن جب تک مسلم حکومتیں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتیں، امت مسلمہ کا فرض ہے:

(الف) قابل اعتماد رفاہی اداروں کے ذریعے فلسطینیوں کی بڑھ چڑھ کر مالی امداد کریں۔

(ب) تحریر، تقریر اور پرامن اجتماعات اور احتجاجی جلوسوں کے ذریعے دنیا کو اپنے جذبات سے آگاہ کریں۔

(ج) غزہ کے محصورین کے لیے غذائی ساز وسامان، ان کے حالات کی مناسبت سے ملبوسات فراہم کریں۔

(د) کنٹینروں کے کانوائے پر مشتمل گشتی ہسپتال قائم کریں جو ادویہ، آپریشن تھیٹر، لیبارٹری، طبی آلات، ایکسرے، الٹرا ساؤنڈ اور سٹی سکین، نیز میڈیکل اور پیرا میڈیکل سٹاف پر مشتمل ہو، ''ڈاکٹرز وآؤٹ بارڈرز'' کی تنظیم کو حرکت میں لائیں۔ اعلیٰ مہارت کے سرجن، فزیشن اور ٹیکنیشن اپنی مفت خدمات پیش کریں۔

(ھ) جو کاروباری ادارے اسرائیل کے ساتھ کاروبار کر رہے ہیں، پرامن طریقے سے ان کی مصنوعات کا عالمی سطح پر بائیکاٹ کریں۔ جو کاروباری ادارے اپنے سٹور یا کمپنیوں سے ایسی مصنوعات نہ ہٹائیں، ان کے مالکان کا بھی پرامن بائیکاٹ کیا جائے۔

(و) آئندہ جمعۃ المبارک کو ''یوم مظلومین و محصورین فلسطین'' کے عوان سے منائیں اور ملک بھر میں پرامن مظاہرے کریں اور ریلیاں نکالیں۔

(ز) عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے جدید الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے تمام دستیاب پلیٹ فارمز کو استعمال کریں۔

(ح) مظلوم ومحصور فلسطینیوں کے حق میں متفقہ آواز بلند کرنے اور عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے غیر سرکاری سطح پر کل جماعتی کانفرنس بلائی جائے تاکہ کسی کے پاس عدم شرکت کا کوئی جواز نہ رہے، اگر کسی اور نے پہل نہ کی تو مجلس اتحاد امت پاکستان اس کی بابت حکمت عملی ترتیب دے گی۔

یہ اجلاس صدر امریکہ کے اس بیان کی شدید مذمت کرتا ہے، جس میں انہوں نے فلسطینیوں کو اپنا آبائی وطن غزہ چھوڑنے اور وہاں سے ہجرت کرنے کا کہا ہے، نیز اشاروں کنایوں میں غزہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ ہم بانگ دہل کہنا چاہتے ہیں کہ اسرائیل سمیت پورا خطہ فلسطینیوں کا آبائی وطن ہے، اس پر ان کا قانونی اور فطری حق ہے، امریکہ چاہے تو اسرائیلیوں کو کہیں اور آباد کر سکتا ہے۔

555 دن میں 40,000 فضائی حملے

اب تک اسرائیل نے غزہ پر 40,000 سے زائد فضائی حملے کیے ہیں۔ یہ حملے اکتوبر 2023 میں جنگ کے آغاز سے لے کر اپریل 2025 تک جاری رہے ہیں۔ دسمبر 2024ء سب سے زیادہ تباہ کن مہینہ تھا، اس دوران 1400 فضائی حملے ہوئے یعنی یومیہ 45 حملے۔ ان حملوں میں 90,000 ٹن سے زائد بارود 41 کلومیٹر کی پٹی پر برسایا گیا ہے، جو دوسری جنگ عظیم میں ڈریسڈن، ہیمبرگ اور لندن پر گرائے گئے بموں کی مجموعی مقدار سے بھی بہت زیادہ ہے۔ ان فضائی حملوں کے نتیجے میں غزہ کی 70 عمارتیں یا تو مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہیں یا انہیں شدید نقصان پہنچا ہے۔ یہ تباہی بھی کولون، ڈریسڈن اور ہیمبرگ کی جنگی تباہ کاریوں سے زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ کی مائن ایکشن سروس (یو این ایم اے ایس) نے اطلاع دی ہے کہ غزہ کی پٹی میں قابض فوج کی طرف سے داغے گئے 10 بموں میں سے ایک پھٹنے میں ناکام رہا۔ خبر رساں ادارے رائٹرز نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے دفتر کے حوالے سے بتایا ہے کہ غزہ کی پٹی میں نہ پھٹنے والے بموں کو ہٹانے کا کام اسرائیلی پابندیوں اور 18 مارچ کو جنگ بندی معاہدے کے خاتمے کے بعد دوبارہ شروع ہونے کی وجہ سے شروع نہیں ہوا تھا۔ امدادی حکام کا کہنا ہے کہ غزہ میں امن کے دوران نہ پھٹنے والے بموں کو ہٹانے کی بین الاقوامی کوششوں میں اسرائیلی قابض حکام نے رکاوٹ ڈالی۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان بموں کی وجہ سے کم از کم 23 افراد شہید اور 162 زخمی ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کی مائن ایکشن سروس کا اندازہ ہے کہ غزہ پر فائر کیے گئے 10 میں سے ایک اور 20 میں سے دو بم پھٹنے میں ناکام رہے۔ یہ امریکی ساختہ بم ان میں شامل ہیں جو اسرائیل استعمال کرتا ہے۔ انسانی بنیادوں پر مائن کلیئرنس کی دو تنظیموں کی طرف سے تیار کردہ ایک دستاویز کے مطابق گزشتہ سال مارچ اور جولائی کے درمیان قابض حکام نے 20 سے زائد اقسام کے مائن کلیئرنس آلات درآمد کرنے کی درخواستوں کو مسترد کر دیا، جس میں کل 2000 سے زائد اشیاء کی نمائندگی کی گئی۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے دفتر اور ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی کے مطابق 1907 کے ہیگ کنونشن کے تحت اسرائیل ایک قابض طاقت کے طور پر جنگ کی باقیات کو ہٹانے یا ان کے خاتمے میں مدد کرنے کا پابند ہے۔ ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی ناکارہ ہونے والے آرڈیننس کو جنگ کی باقیات کے طور پر بیان کرتی ہے۔ وہ ہتھیار جو فعال ہونے پر پھٹنے میں ناکام رہتے ہیں اور مسلح تصادم کے نتیجے میں رہ جاتے ہیں، جیسے کہ بم، راکٹ، توپ خانے کے گولے اور دستی بم۔ یہ گولہ بارود اپنے دھماکوں کے نتیجے میں ہر سال دنیا بھر میں ہزاروں افراد کو ہلاک اور زخمی کرتے ہیں۔ وقت اور لاگت کے عوامل کے علاوہ دیگر چیلنجز بھی ہیں کہ ان گولہ بارود کو محفوظ طریقے سے کیسے نکالا جائے۔ اقوام متحدہ کی مائن ایکشن سروس کے مطابق بغیر پھٹنے والے بم زیر زمین پڑے ہیں۔ غزہ کے معاملے میں یہ کئی ٹن ملبے کے نیچے چھپا ہوا ہے، جس کا اندازہ اقوام متحدہ کے مطابق تقریباً 50 ملین ٹن ہے۔

پس آئینہ: ابوالعین (مترجم)

حماس: ہتھیار نہیں ڈالے گی!

غزہ کو بلا ئیے! ایک قتل گاہ، خون کا نہ ختم ہونے والا تالاب، دکھ درد اور موت

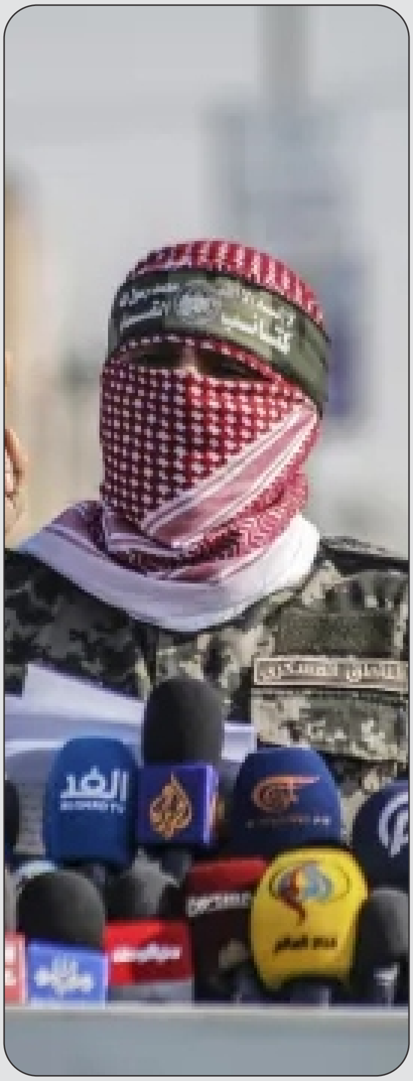

اس وقت دنیا کا سب سے بڑا کنسنٹریشن کیمپ۔۔یا۔۔ اسرائیل کے عوام کی نگاہ میں! ایک مطمئن کرنے والا منظر، جسے آپ مکمل طور پر نظر انداز کر سکتے ہیں۔

تل ابیب کے اشکِ نازی یہودی، غزہ سے ایک گھنٹے کی مسافت پر بیٹھے صبح کے لمحوں میں کپا چینو کے مزے لے رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے یوگا انسٹرکٹر کی ہدایات بھی لے رہے ہیں۔ غزہ ایسی قتل گاہ ہے جس نے دنیا کو سربرینیکا اور روانڈا کی خونی یادیں بھلا دی ہیں۔

لیکن ایک بات ایسی ہے جسے وہ سب سمجھ نہیں پا رہے۔ حماس کبھی ہتھیار نہیں ڈالے گی۔

یہ کبھی نہ سوچیے گا! یہ خیال دل میں بھی نہ لائیے گا کہ الفتح اور حماس ایک سی بات ہے۔ حماس کبھی بھی الفتح کی طرح رقم وصول کر لے گی اور غزہ سے فرار ہو جائے گی۔ 18 ماہ کی شدید قتل و غارت اور اب دو ماہ کی شدید بھوک کا سامنا کرنے کے بعد بھی حماس غزہ میں موجود ہے۔ اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن یاہو یہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ ان کے مدمقابل حماس ہے، الفتح نہیں تھی۔

کوئی غلطی نہ کیجیے گا۔ اسرائیل نے اپنی آخری ''آفر'' بھی کر دی ہے۔ اس کو توقع تھی کہ حماس ہتھیار ڈال دے گی۔ بدلے میں تمام کے تمام یرغمالی رہا کر دے گی۔ اس کے بدلے میں اسے 45 دنوں کے لیے پانی اور خوراک دے دی جائے گی۔ اس کے بدلے حماس ہتھیار اسرائیل کے حوالے کر دے گی۔

حماس نے جواب دیا: حماس تمام اسرائیلی یرغمالی رہا کر دے گی:

اس کے قید و بند میں موجود لوگ رہا کر دیے جائیں۔

ایک طویل مدت کے لیے ''ہدنہ'' یعنی جنگ بندی کر دی جائے۔

اس دوران میں حماس اپنے ہتھیار دوبارہ تیار نہیں کرے گی۔

حماس کسی بھی ٹنل یعنی سرنگ کی مرمت نہیں کرے گی۔

غزہ کا نظام کسی بھی فلسطینی گروپ کے حوالے کرنے سے اتفاق کرے گی۔

لیکن اس کے بدلے میں اسرائیل دو کام لازمی کرے گا:

حماس غیر مسلح نہیں ہو گی، ایسا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

تمام اسرائیلی افواج غزہ کو مکمل خالی کر دیں گی۔ جنگ مکمل طور پر بند کر دی جائے گی۔

نیتن یاہو۔۔۔تباہی کا ایجنٹ:

یہ اب بہت زیادہ اور بہت کھلے طور پر بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی بھی تعطل یا رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے نیتن

یاہو کا کردار اہم ہے۔ اس نے اب تک حماس سے دو مرتبہ ڈیل کی ہے اور دونوں مرتبہ اسی نے اسے توڑا ہے۔ حماس نے اس پر عمل کیا ہے۔

جنوری میں نیتن یاہو نے ڈیل کی کہ وہ مرحلہ وار جنگ بندی کرے گا۔ اس کے نتیجے میں 33 یرغمالیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس دوران میں اسرائیل نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوسرے مرحلے کے مذاکرات اور مستقل جنگ بندی کی جائے گی۔

تباہی کا ایجنٹ۔۔ایسا نیتن یاہو کس طرح بنا؟ ▼

نیتن یاہو نے یہ معاہدہ پھاڑ دیا۔ ایسا کرنے میں اس کی مدد کرنے والے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ تھے۔ یہ وہی دستاویز تھی جس کے بارے میں ٹرمپ نے بڑے فخر سے دعویٰ کیا تھا کہ یہ میری وجہ سے ہوا ہے۔

نیتن یاہو نے وہ معاہدہ اس لیے پھاڑ دیا کیوں کہ اس کے حکمران اتحاد کو اس کی ضرورت تھی۔ بجٹ پر ووٹ درکار تھے۔ اس کے لیے فوجی بجٹ کو ''قومی وقار'' کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔

غزہ گزشتہ دو ماہ سے ہر طرح کی ناکہ بندی اور محاصرے میں ہے۔ اسرائیل مسلسل ان مقامات پر بمباری کر رہا ہے۔ جہاں اس کے مطابق خوراک، ادویات اور دیگر اشیائے ضرورت کے بچے کھچے ذخائر ہیں۔ بھوک کو بلاخوف تردید اور کسی ڈھکے چھپے عزم کے بغیر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ صاف کہا جا رہا ہے کہ مذاکرات کرنا ہیں تو بھوک برداشت کرنا ہوگی۔

ایڈم بوہلر مشرق وسطیٰ میں ٹرمپ کے سابقہ نمائندے تھے۔ انہیں نیتن یاہو سے کام کرنے کا ویسا ہی تجربہ ہوا جو ان سے پہلے جوبائیڈن کے نمائندے کو ہوا تھا۔ براہ راست مذاکرات میں حماس ان کے ساتھ یرغمالیوں پر حتمی معاہدے تک پہنچ گئی تھی۔ نیتن یاہو نے اسے قبل از وقت افشا کر دیا۔

ایڈم بوہلر نے الجزیرہ سے خود یہ بات کہی کہ تمام اسرائیلی یرغمالی رہا کر دیے جائیں تو جنگ فوری طور پر بند ہو سکتی ہے۔ حماس اس کے لیے تیار تھی۔ نیتن یاہو نے صاف کہا کہ میری لاش پر ہی یہ معاہدہ ہو سکتا ہے۔

یہ صورت حال تب سے جوں کی توں چلی آ رہی ہے جب بل برنز جو بائیڈن کے ساتھ سی آئی اے چیف تھے۔ انہوں نے ایک سال پہلے جنگ بند کرنے کے مذاکرات کی نگرانی کی تھی۔ اس معاہدے پر حماس نے دستخط بھی کر دیے تھے۔ نیتن یاہو نے تب بھی فوج نکالنے سے انکار کر دیا تھا۔

ہتھیار پھینکنے سے حماس نے انکار کر دیا تھا۔

ہتھیار پھینکنے سے انکار: ▼

ایسے بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے حماس ہتھیار نہیں رکھے گی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو وہ سخت حالات ہیں جن کا سامنا حماس اور اہل غزہ نے ایک ساتھ کیا ہے۔ جنگ بندی کے اعلان کے باوجود اب تک 1500 سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ مارچ سے اب تک کے واقعات ہیں۔

حماس کے پہلے درجے کی ساری قیادت، اس کی سول حکومت اور اس میں کام کرنے والے افراد مارے جا چکے ہیں۔ پولیس تباہ ہو چکی ہے۔ تمام ہسپتال صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیے گئے ہیں۔ رفاہ کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ اب محض نام باقی رہ گیا ہے۔ حماس نے ابھی تک دولت کی پیش کش ٹھکرائی ہے اور اس کی قیادت نے جلاوطن ہونے سے انکار کیا ہے۔

ہر فلسطینی سمجھتا ہے کہ غزہ اس کے لیے مقدس ہے، اس سے اس کا رشتہ بھی مقدس ہے۔ وہ یاسر عرفات بننا نہیں چاہتا۔ یاسر عرفات برسوں پہلے شکست کھا کر اپنا پستول دشمنوں کے حوالے کر کے بہت دور چلے گئے تھے۔ اس کی تنظیم آزادیٔ فلسطین نے مغربی بیروت میں 1982ء میں محاصرہ قبول کر لیا تھا۔ اب فتح مکمل طور پر فلسطین سے باہر جا چکی ہے۔ لیکن اس نے جتنی مثالیں شکست قبول کرنے کی چھوڑی ہیں، حماس ان میں سے کسی ایک پر بھی جانے کو تیار نہیں ہے۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ ▼

سب سے پہلی اور اہم وجہ ہے کہ حماس کے 7 اکتوبر 2023 کے حملے نے اسرائیلی فوج کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ جنوبی اسرائیل میں مظالم کا ارتکاب کر رہی تھی۔ اب غزہ کو ملبہ کا ڈھیر بنانے کے بعد فلسطینی مقصد دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ لوگ غزہ پھر سے تیار کرنے کے لیے پرعزم ہیں۔ اب غزہ مقدس سرزمین ہے۔ اب ہر انچ ان کے پیاروں کے خون نے سینچی ہے۔ غزہ میں کوئی ایک خاندان بھی ایسا نہیں ہے جس کے بچے، جوان، بوڑھے، مرد و زن نے شہادت نہ پائی ہو۔

اب صورت حال یہ ہے کہ حماس ہو یا کوئی اور مزاحمت کا گروپ ہو، سب ایک ہو چکے ہیں۔ ان کو غزہ سے، اہل غزہ سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں رہا ہے۔ یہ سب اکٹھے لڑتے رہے ہیں۔ یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جو جنوبی الخلیل کے کسانوں نے غیر مسلح ہونے کے باوجود مزاحمت کا سلیقہ اختیار کیا ہے۔

اب لوگوں کو مزاحمت پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے۔ وہ اب خود ہی اس کو لازمی اور ضروری فرض سمجھنے لگے ہیں۔ وہ قابض اسرائیل اور اس کی فوج کی مزاحمت کرنا جان چکے ہیں۔ ایسا انہیں کسی اور نے نہیں، خود اسرائیل کے رویے نے سکھایا ہے۔ اب وہ یہاں کے ہر باشندے کا خونی دشمن ہے، ازلی دشمن ہے۔ اس میں استقامت ہے۔ یہ زہر خود اسرائیل نے ان کی زندگیوں میں گھولا ہے۔

ذمہ داری پوری کریں گے: ▼

اسرائیل کے پاس اس قدر زمین کبھی نہیں تھی اور نہ ہی اس قدر کنٹرول ہی اس کا تھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ کا طلب گار رہا ہے۔ وہ ہر وقت یہودیت کو یہاں کا غالب مذہب بناتا رہا ہے۔ وہ اب بھی یہی کر رہا ہے۔ حالیہ ایسٹر کے دنوں میں اس نے مسیحیوں کو بھی چن چن کر اسی طرح مارا جس طرح بے دردی سے مسلمانوں کو مارا ہے۔

آبادکار یہودیوں کو لانے اور آباد کرنے کی مہم جنگ کے دنوں میں زیادہ سرگرم نہ رہی تھی جس قدر امن کے دنوں میں ان کو لا لا کر بسایا جاتا رہا ہے۔ اوسلو معاہدے کے بعد سے دیکھ لیں، مغربی کنارے میں اس کی جا بہ جا مثالیں آپ کو مل جائیں گی۔

اسرائیل دو ریاستی منصوبے پر کبھی قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بانیوں کے ذہن میں کبھی بھی دو ریاستی فارمولا تھا ہی نہیں۔ وہ صرف اسرائیل بنانے نکلے تھے۔ ان کے پیروکار بھی یہی کر رہے ہیں۔ اتمار بن غفیر، بزازیل سموٹریک اور نیتن یاہو یہی کچھ کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ذمہ داری ہے۔ ان کی اول و آخر ذمہ داری یہی ہے۔ وہ ہر فلسطینی کو مارنا چاہتے ہیں۔ وہ ''سرزمین اسرائیل'' کو ہر فلسطینی کے وجود سے صاف کرنے نکلے ہیں۔

اب صہیونیت اس پس منظر میں دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ دونوں کا نظریہ الگ ہے۔ اب یہ کہہ رہے ہیں کہ ڈیوڈ بن گوریان نے کام کا آغاز کیا اور پھر رک گیا۔ ہم نہیں رکیں گے۔

یہ ایک بار بار لوٹ کے آنے والی لیکن مطلوب کتھا ہے۔ اسے لبرل صہیونیوں نے آگے بڑھایا ہے۔ یہ طبقہ اس

کوشش میں ہے کہ فلسطین کے مسئلہ پر اسرائیل کے قبائل کو تقسیم کیا جائے۔ ان کے درمیان کوئی قابل ذکر فرق موجود نہیں ہے۔ یہ جتنا اسحاق رابن کے قتل کے دنوں میں سچ تھا، اس سے کہیں زیادہ اب سچ ہے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں عبادت کی غرض سے جانے والے یہودی تعداد میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ حالیہ پاس اور تعطیلات سے اب تک 6000 یہودی مسجد اقصیٰ جا چکے ہیں۔ یہ تعداد یہودی عبادت گزاروں کی اس عرصے میں ماضی کی کسی بھی تعداد سے زیادہ ہے۔ بہت سی انسانی حقوق کی تنظیموں کی ایک مشترکہ درخواست بھی اسرائیلی سپریم کورٹ نے مسترد کر دی ہے اور اسے متفقہ طور پر مسترد کیا ہے کہ غزہ میں انسانی بنیادوں پر امداد جانے دی جائے۔

اسرائیل کی ریاست، مذہبی یا سیکولر، ہر طرح سے ایک ہی مقصد کے لیے سرگرم ہے۔ یہ قبائل اگرچہ ایک دوسرے سے حالت جنگ میں ہیں، ان کا ایک ہی مقصد ہے کہ حماس ہتھیار ڈالے۔

اگر آج حماس کسی بھی صورت میں ایسا کرتی ہے تو ہمیشہ کے لیے فلسطینی کاز کو دفن کر دے گی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہر فلسطینی مذہبی ہے۔ یا فتح غیر مقبول ہے۔ وجہ سیدھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسرائیلی قبضے کے خاتمے کا واحد راستہ یہی ہے کہ مزاحمت زندہ رہے۔ اسرائیل نے غزہ میں، مغربی کنارے میں، بیت المقدس میں اور اسرائیل میں بھی فلسطینیوں کو جس قدر زخمی کیا ہے، مارا ہے، ان کے دل چیرے ہیں، اب اس کا مطلب ایک ہی ہے۔ جو فلسطین کا مقدر ہے، وہی حماس کا مقدر ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

حماس اور الفتح میں بنیادی فرق ہے۔ حماس ایک مذہبی تنظیم ہے۔ اس نے اپنی جدوجہد تب شروع کی تھی جب یہودی مسجد اقصیٰ میں داخل ہو رہے تھے۔ غزہ میں ہر فلسطینی نے جان لیا تھا کہ اسے جس طرح سے ذبح کیا جا رہا ہے، یہ شہادت کا راستہ ہے۔

اصل مقصد:

حماس کی اصل خوبی اس کا اجتماعی نظام ہے جو اسے کرپٹ ہونے نہیں دیتا۔ اس کے ایمان نے انہیں مضبوطی سے پرو رکھا ہے۔

23 سالہ رفعت رضوان پیرا میڈیکل سٹاف کا حصہ تھا۔ اس کے آخری الفاظ۔۔۔ دم توڑتے ہوئے۔۔۔ فون پر سنے گئے۔ وہ اپنے اللہ سے کہہ رہا تھا: ''اے اللہ! مجھے معاف کر دے۔'' میں روزانہ پانچ وقت کی نماز بروقت ادا نہ کر سکا۔ وہ اتنا نماز کا پابند نہیں تھا۔ وہ حماس کا رکن بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ مذہب سے اتنا لگاؤ ضرور رکھتا تھا کہ مرتے لمحات میں بھی وہ توبہ طلب کر تا رہا۔

غزہ میں پیرا میڈیک بے دریغ قتل کیے گئے۔ قبر کے کسی عقبی حصہ سے بھرنے والی صدائیں اسرائیل کے جھوٹ کا پردہ چاک کر رہی ہیں۔

اگر کسی نے جاننا ہو کہ فلسطینیوں نے کس جان سپاری اور بہادری سے جرأت و کردار کی مثالیں رقم کی ہیں جب کہ حالات سنگین بھی تھے اور زندگی ناممکن بھی بنا دی گئی تھی تو وہ رفعت رضوان کو ہی یاد کر لے۔ ان کی جیتی جاگتی کہانی رضوان تھا۔ وہ بستر مرگ پر تھا لیکن اپنے ایمانی راہ نما (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یقین لمحہ بھر بھی متزلزل نہ ہوا تھا۔ دوسری بہت سی وجوہات ہیں، اسباب ہیں جن کی بدولت حماس کبھی سرنگوں نہیں ہوگی۔

کسی تنظیم کا مقدر کیا ہوتا ہے، وہ تو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تامل ٹائیگرز کی مثال لے لیں یا چیچن باغیوں کو دیکھ لیں۔ انہیں بہت سختی سے کچل دیا گیا۔ ای ٹی اے جیسی تنظیمیں اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں اور بکھر گئیں۔ وہ اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکیں۔ حماس کا کہنا ہے کہ اس نے اپنا اصل مقصد حاصل کر لیا ہے۔

حماس نے فلسطین کے لیے استصواب رائے کے حق کو دنیا سے منوا لیا ہے۔ اب اس کا مقصد دنیا کی انسانی حقوق کی تنظیموں کے ایجنڈے پر سرفہرست ہے۔

گزشتہ تین سالوں میں امریکی عوام کی نظروں میں اسرائیل کا تاثر منفی ہو چکا ہے۔ اسرائیل ہار رہا ہے۔ جن ممالک میں حماس ایک کالعدم، ممنوعہ اور خلاف قانون تنظیم قرار دی گئی تھی، وہاں بھی رائے عامہ اس کے حق میں ہے۔ قانون عوام سے کہتا ہے کہ حماس دہشت گرد تنظیم ہے۔ لیکن عوام بڑی اکثریت کے ساتھ ایسا نہیں کہتے۔ وہ لوگ بھی اس کے خلاف نہیں ہیں جو 7 اکتوبر کے اس اقدام کے حق میں نہیں تھے۔

حماس عوامی رائے کی جنگ جیت رہی ہے۔ اسرائیل یہ جنگ ہار رہا ہے۔ اگر اسرائیل چاہتا ہے کہ وہ اس جنگ کو خوش گوار طریقے سے لیکن قوت سے جیت سکے، اسے ہر فلسطینی کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ یہی مقصد اس فلسطینی کا بھی ہے۔ جس حد تک نیتن یاہو غزہ میں اپنی جنگی مہم جاری رکھیں گے، اسی قدر سے فرانس جیسی یورپی طاقتیں فلسطین کو ریاست تسلیم کرتے جائیں گے۔

پیچیدہ مذاکرات:

ٹرمپ کے نمائندے اس وقت تین طرح کے بہت زیادہ پیچیدہ مذاکرات کر رہے ہیں۔ اور ہر طرح کے مذاکرات اسی قدر مقصد سے دور اور مشکل ثابت ہو رہے ہیں۔

اگر اسرائیل اس جنگ کو اپنے حق میں کرنا چاہتا ہے تو اسے انہی مقاصد کو سامنے رکھنا ہوگا جن کے لیے حماس کام کر رہی ہے۔

غزہ تین مقاصد میں سے ایک ہے۔ ٹرمپ کو نتائج سمیٹنے کی جلدی ہے۔ اس میں صبر کی کمی ہے۔ وہ کسی مطلوبہ مقصد کے لیے وقت کا انتظار نہیں کر سکتے۔

مزید دو مقاصد ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

جو ممالک ایران پر حملے کے لیے امریکہ کو اپنی فضا استعمال کرنے سے روک رہے ہیں، اس کی مزاحمت کر رہے ہیں، وہی ملک غزہ کی آبادی کے وہاں سے انخلاء کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مصر اور اسرائیل غزہ کی آبادی کے وادیٔ سینا میں مخالفت میں آگے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں کہ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

ایران سے ٹرمپ کے مذاکرات خطرے میں ہیں۔ نیتن یاہو ایران کے جوہری اثاثوں پر حملہ کرنے کو بے تاب ہے۔ ابھی غزہ کا کوئی حل اس کے پاس نہیں ہے۔ نیتن یاہو کا فیصلہ کرنے کا وقت گزر رہا ہے۔ اب اس کے ہاتھوں میں کارڈ ختم ہو رہے ہیں۔

امریکہ اور نیٹو فوجی قوتیں ہیں۔ طالبان نے بھی خود کو فوجی قوت ثابت کیا۔ عراق میں مزاحمت نے کام کر دکھایا۔

اسرائیل تو بہت چھوٹا ملک ہے۔ اس کا تو سارا انحصار ہی امریکہ پر ہے۔ غزہ میں جنگ طویل نہیں کی جا سکتی۔ اسرائیل کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے نقصانات کم کرے۔ وہ غزہ سے نکل جائے۔ ورنہ وہ عالمی منظر نامے پر سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا ملک بن جائے گا۔

جب یہ ناگزیر ہونے کا خمار اترے گا، ناقابل تسخیر ہونے کا بھوت غائب ہوگا، جیسا کہ 7 اکتوبر کو کسی نے اتارا تھا تو تب تک اچھے نتائج کا انتظار ہی رہ جائے گا۔

حماس ہتھیار نہیں ڈالے گی۔

(اس کالم میں بیان ہونے والے خیالات ڈیوڈ ہرسٹ کے ہیں)

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

قربتیں کم ہو رہی ہیں فاصلے زیادہ | غم بڑھے آتے ہیں قاتل کی نگاہوں کی طرح

کہا جاتا ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے کہ دو جمع دو چار ہوتے ہیں۔لیکن یہ پہلی بار ہو رہا ہے کہ دو جمع دو برابر صفر ہو رہے ہیں۔ یہ غزہ میں ہونے جا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔

غزہ تباہ کرنے والے دو ملک تھے۔ ایک امریکہ، تباہ کرانے والا اور دوسرا اسرائیل، تباہ کرنے والا۔ جب غزہ پر حملہ شروع ہوا تو برطانیہ کے جاسوس طیارے غزہ پر پرواز کرتے رہے، فرانس کے جنگی اور سرویلنس طیارے بھی اڑتے رہے۔ پھر امریکہ کے بحری بیڑے غزہ کے پانیوں کے اندر اور آس پاس کھڑے ہو گئے۔ بہ ظاہر اسرائیل کے بالخصوص جدید ترین F-35 جنگی جہاز دوسرے جیٹ طیاروں کے ساتھ غزہ پر بمباری کرتے رہے۔کوئی نہیں بتا سکتا کہ غزہ پر حملہ آور مختلف نوعیت کے جیٹ طیاروں کے پائلٹ امریکی تھے یا اسرائیلی تھے۔ جس شدت سے بمباری کی گئی اس سے ظاہر تھا کہ منصوبہ پہلے سے تھا اور عمل درآمد اکتوبر 2023ء کے بعد کیا گیا۔

اب ایک نیا سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ سوال بہت پہلے اسرائیل کی جنگی کابینہ میں وجۂ نزع بنا تھا۔نیتن یاہو سے دریافت کیا جا رہا تھا کہ غزہ تباہ کرنے کے بعد معاملہ یوں تو چھوڑا نہیں جا سکتا کہ اسے اسرائیل کا ایک بڑا پارکنگ لاٹ بنا دیا جائے۔ اور اب جنگ کے بعد یہ سوال ٹرمپ نے صدر بننے کے بعد اٹھا دیا کہ غزہ کو مشرق وسطیٰ کا ''ریویریا'' بنا دیا جائے۔ اس حل کے تجویز کیے جانے کی دیر تھی، عرب ممالک کے تمام دارالحکومتوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ مصر و اردن کو فکر ہوئی کہ بیس لاکھ لٹے پھٹے فلسطینی ان کے ہاں دھکیل دیے جائیں گے تو ان کے ایوان تو پھر بھی لرز جائیں گے۔

غزہ اور حماس سے عرب ممالک کو بالخصوص خطرہ یہ تھا کہ جس طرح عرب بہار نے 2011ء میں پورے عرب کو ہلا کے رکھ دیا تھا، کسی بھی وقت کوئی عوامی تحریک کسی بھی عرب ملک کی حکومت کو زمین بوس کر سکتی ہے۔ غزہ ایک ایسا مقام تھا جو اوسلو معاہدے کے لیے بھی خطرہ تھا اور اس کی مثال کسی عرب ملک میں یوں دھرائی جا سکتی تھی کہ کوئی ''اسلامی تحریک'' برپا کر کے حالات تبدیل کیے جا سکتے تھے۔ اس کا واحد حل یہ تھا کہ حماس کا بندوبست کیا جائے۔

حماس پر ایک ایسا حملہ کیا جائے جس میں اسے چاروں شانے چت گرا دیا جائے خواہ اس کی کتنی ہی بڑی قیمت ادا کرنا پڑے، فلسطینی کتنی بڑی تعداد میں مارے جائیں۔ اسرائیل کے حملہ کے بعد اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا مرحلہ آیا۔ اسرائیل کے مجرم وزیر اعظم نیتن یاہو آن ریکارڈ ہیں کہ میں نے متعلقہ تمام ملکوں سے رضامندی لے لی ہے۔ اس بیان اور اسرائیلی حملوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ غزہ کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔

لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ غزہ کا مستقبل ایسا سوال ہو گا جو بہت کچھ بے نقاب کر دے گا۔ اب وہ نقاب ہٹ رہا ہے۔ اس سوال پر غور ہو رہا ہے کہ حماس کو کس طرح غیر مسلح کیا جائے۔ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ حماس کسی بھی طرح سے غیر مسلح نہیں ہو سکتی۔ حماس کہہ رہی ہے کہ وہ غزہ کا انتظام کسی بھی دوسری جہادی تنظیم کو دینے پر تیار ہے لیکن وہ ہتھیار نہیں رکھے گی۔ وہ یہ بھی کہہ رہی ہے کہ تمام کے تمام اسرائیلی یرغمالی ایک ساتھ رہا کر دے گی۔ اس کے بدلے میں وہ فلسطینی قیدیوں کی رہائی چاہتی ہے۔

اس سوال پر اسرائیل کے ایوان اقتدار میں بھی غور ہو رہا ہے لیکن جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

غزہ پر حملہ امریکہ اور اسرائیل نے کیا تھا۔ اب غزہ کے منصوبۂ تعمیر کا سوال متعلقہ ممالک کے سامنے ہے۔ تیسرا عنصر مصر ہے۔ اسرائیل کے اندر بیٹھے صہیونی و امریکی کہہ رہے ہیں کہ حل کوئی بھی ہو، ہمارے اس حق پر سوال نہ اٹھایا جائے کہ ہم اپنی ترجیح اور ضرورت کے مطابق جب چاہیں گے، حملہ کر دیں گے۔ سامنے کیا ہے؟

حماس کو بے اثر کیا جائے۔ اس کے اندر سے انقلابیت نکالی جائے۔ ہم ضرور چاہیں گے کہ مستقبل میں نکبہ کا پرچم اٹھائے کچھ اور نوجوان میدان میں نہ آ جائیں۔ اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ غزہ کو آباد کیا جائے، یہاں کا نظام تعلیم سیکولر

کر دیا جائے۔اس میں سے جہاد کو یکسر نکال دیا جائے۔
اسرائیل کے دماغ کہہ رہے ہیں کہ یہ کام اس سے پہلے متعلقہ ممالک اپنے ہاں بڑی خوبی سے کر چکے ہیں۔اب وہ یہی تجربہ غزہ میں دھرانے کے لیے تیار ہیں۔

اب آیئے مصر کے منصوبے کی طرف۔یہ بھی مکمل یا جامع نہیں کہا جا سکتا۔حسنی مبارک کے سال ہا سال کے تجربات نے بھی ڈاکٹر محمد مرسی اور ان کی حکومت کو جنم دیا۔تاہم وہاں ایک سیکولر فوج موجود رہی۔اسے ''عرب اقدام'' کا نام دیا گیا۔اس عرب اقدام کے عناصر کیا تھے؟ ایک ٹیکنو کریٹ حکومت، مصر اور اردن کے ذریعے نئی پولیس فورس کا قیام اور تربیت۔اس نظام پر مکالمہ ہو سکتا ہے۔

اسے سرے سے رد کر دیا جائے تو صفر بچتا ہے۔اس کو صفر ہونے سے کس طرح بچایا جائے۔اس خیال کے تحت نہیں رہا جا سکتا کہ اس قدر تباہی دیکھنے کے بعد بیس لاکھ لوگ اور وہ بھی فلسطینی ہمارے منصوبوں پر آنکھیں بند کر کے عمل شروع کر دیں گے۔اسرائیلی کہتے ہیں کہ یہ ایک معمہ ہے اور اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔وہ اس کا کیا حل سوچتے ہیں؟ اگر حل نہ نکلا تو مصر اب صفر ہو جائے گا۔نیتن یاہو اب یرغمالی کارڈ کھیلنا چاہتے ہیں۔اب پانسہ پلٹنے کا وقت ہے۔ان سب دو جمع دو صفر نے اپنے کارڈ کھیل لیے۔غزہ پر بمباری ہو رہی تھی اور متعلقہ دارالحکومتوں میں فیسٹیول ہو رہے تھے ے عالم اسلام کا عام مسلم چیخ رہا تھا کہ اسرائیل و امریکہ کو روکا کیوں نہیں جا سکتا۔بھارت کا میڈیا مذاق اڑا رہا تھا کہ ایک جگہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ایک غوری اڑے گا اور تل ابیب اڑ جائے گا۔اب لوگ غور بھی کریں گے تو کوئی میزائل اڑنے کی بات بھی نہیں کرے گا۔اب کوئی نیا شہر بھی آباد کریں گے اور وہاں آنے جانے والوں کی تعداد بھی ماضی کے مقابلے میں بڑھتی جائے گی۔

اب نیتن یاہو کہہ رہا ہے کہ اب ''نئے جنم کی جنگ'' ہوگی۔اس کی یہ ضرورت ہے۔اس کے خلاف کرپشن کے سنگین مقدمات زیر التوا ہیں۔وہ چاہتا ہے کہ یہ مقدمات زیر التوا ہی رہیں لیکن ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔دنیا کا یہ دستور بن گیا ہے، جو حکمران جنگ لڑتا ہے، اگلا انتخاب ہار جاتا ہے یا اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔جو بائیڈن نے جنگ لڑی، اس کے دست و بازو جو لوگ تھے، انہوں نے بازو سے پکڑ کر میدان میں اترے جو بائیڈن کو نکال باہر کیا۔کملا ہیرس کوئی کمال نہ دکھا سکیں وہ غزہ جنگ کا تسلسل تھیں، نہ رہ سکیں۔اسرائیل میں جس نے فلسطینیوں سے جنگ لڑی، وہ دوبارہ انتخاب ہی نہ لڑ سکا۔

اب ''نئے جنم کی جنگ'' پڑوس میں ہوگی۔آدھی جنگ اردن میں ہوگی۔غزہ اور مغربی کنارے سے لاکھوں فلسطینی مجبور کیے جائیں گے کہ وہ ''رضا کارانہ ہجرت'' کر جائیں۔ماضی میں جب وہ نکالے گئے تھے، جب دیر یاسین کا نکبہ ہوا تھا، جب انہیں اپنے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا تو وہ بے سروسامانی میں نکالے گئے تھے۔

منصوبے کا حصہ یہ ہے کہ غزہ کی آبادی مصر و شام اور اردن کی طرف نکال دی جائے۔ہر فلسطینی سے بندوق کی نوک پر یہ ''راضی نامہ'' حاصل کیا جائے کہ وہ اپنی رضامندی سے غزہ یا مغربی کنارہ چھوڑ رہا ہے، اس طرح اس کا ان علاقوں میں واپسی کا حق برقرار نہیں رہے گا۔ایک پہلے تجزیے میں لکھا گیا تھا، سموٹریک کے اور اتمار بن غفیر کے بیانات کا حوالہ دیا گیا تھا کہ غزہ سے دس لاکھ فلسطینی نکال دیے جائیں گے۔مغربی کنارے سے آٹھ سے دس لاکھ فلسطینی نکال دیے جائیں گے۔اس دعوے کو حقیقت بنانے کا مرحلہ ہی ''نئے جنم کی جنگ'' ہوگی۔جب ان لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں یوں نکالا جائے گا تو مسجد اقصیٰ کو تنہا کر دیا جائے گا۔ایک بہت بڑا کشت و خون یہی کردار ادا کریں گے، پھر یہی کردار متحارب ہو جائیں گے۔

اب ایک ہی نکتے پر اتفاق ہے۔اور وہ بہت واضح، صاف اور ممکن نظر آتا ہے۔تمام یرغمالی ایک ہی مرتبہ رہا کرا لیے جائیں۔جنگ سے یہ ممکن نظر نہیں آتا۔واحد راستہ یہ ہے کہ حماس سے بات چیت کی جائے۔کیا کبھی فتح پانے والوں نے بھی اس طرح سے سوالات کیے ہیں؟

حماس کہہ رہی ہے کہ ہتھیار اس سے نہیں رکھوائے جا سکتے، تاہم وہ سب یرغمالی رہا کر دے گی۔وہ غزہ میں نیا نظام بھی قبول کرے گی۔لیکن یہ ایسی سادہ بات ہرگز نہیں ہے۔اسرائیل کے بڑے کہہ رہے ہیں کہ جنگ بند بھی کرنا پڑی تو کر دیں گے۔یہ ان کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ان سب نے کسی مقصد کا تعین نہیں کیا تھا۔حماس کو ختم کرنا مقصد تھا تو وہ حاصل نہ کیا جا سکا۔

اب نیتن یاہو پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔اس کے بیانات آ رہے ہیں: ۔۔۔میں قاتلوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔۔۔اس طرح سے حماس کے سامنے ہتھیار رکھنے سے آپ سب خطرے میں پڑ جائیں گے۔اگر ہم نے ان کے (حماس) کے مطالبات پر ان کی باتیں مان لیں، ہم نے جس قدر زبردست کامیابی حاصل کی ہے، ضائع ہو جائے گی۔

دوسری طرف حماس نے یہ مطالبہ ایک بار پھر مسترد کر دیا ہے کہ زندہ یرغمالیوں میں سے نصف رہا کر دیے جائیں۔حماس کا مطالبہ ہے کہ جنگ بند کرنے کا اعلان کیا جائے۔بین الاقوامی ضمانتیں دی جائیں۔

نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ ہم یہ نہیں کر سکتے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہار مان لی ہے۔لیکن مغربی دنیا اسرائیل کے مطالبات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔فرانس کے صدر ایمانویل میکرون نے کہا ہے کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے لیکن اسے پھیلنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

اسرائیل کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی کہ وہ سب کچھ حاصل کرے۔اسرائیل کا من مانی کرنا امریکی اور مغربی مفادات کے منافی ہوگا۔یہ نکتہ فراموش نہ کیا جائے کہ مغرب میں بہ شمول نیویارک اسرائیل کے اقدامات کو اب خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔اب کہا جا رہا ہے کہ اب اسرائیل ''ضرورت سے زیادہ جارحیت پسند'' ثابت ہو رہا ہے، وہ ''غلبے کی طلب میں'' ہے۔وہ ضرورت سے زیادہ ''مغلوب'' ہونے کی غلط کوشش کر رہا ہے۔

اسرائیل کو علم ہے کہ فلسطینی ختم نہیں کیے جا سکتے۔اسے بڑی قوتیں یہ حق دینا نہیں چاہتیں کہ وہ مشرق وسطیٰ کا توازن بگاڑ دے۔اب تو امریکہ کے بیانات بھی مدھم پڑ گئے ہیں کہ حماس دہشت گرد ہے۔ایک بات اب تک نظر انداز کی جا رہی ہے کہ غزہ کے عوام کس طرف جائیں گے۔

فرانس نے بات کا یہ کہہ کر آغاز کر دیا ہے کہ فلسطینیوں کی ریاست کا حق برقرار ہے۔غزہ دوبارہ تعمیر ہوگا، اسرائیل کو شام کے علاقوں سے نکلنا ہوگا۔غزہ خالی کرنا ہوگا۔

ادھر یروشلم پوسٹ کی اس خبر نے نیتن یاہو کو ہلا کے رکھ دیا ہے کہ امریکی صدر ٹرمپ نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایران کے ساتھ جوہری مذاکرات کر رہا ہے۔اسرائیل کو اس سے دور رکھا جائے گا۔اب امریکہ نے اسرائیل کو یہ پیغام دیا ہے کہ اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خطرہ ختم کرنے کے جواز پر فلسطینیوں یا شام و لبنان پر پہلے کی طرح حملے کرے۔اسے یہ حق بھی نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اپنے دشمن کی فوجی قوت کم کرنے کے لیے جنگ مسلط کرتا رہے۔

فرانس اب فلسطین کو ایک ریاست کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ فرانس کی پالیسی مغرب میں کس طرح آگے جگہ بنائے گی۔

اب اسرائیل کو غزہ سمیت علاقے خالی کرنا ہوں گے۔

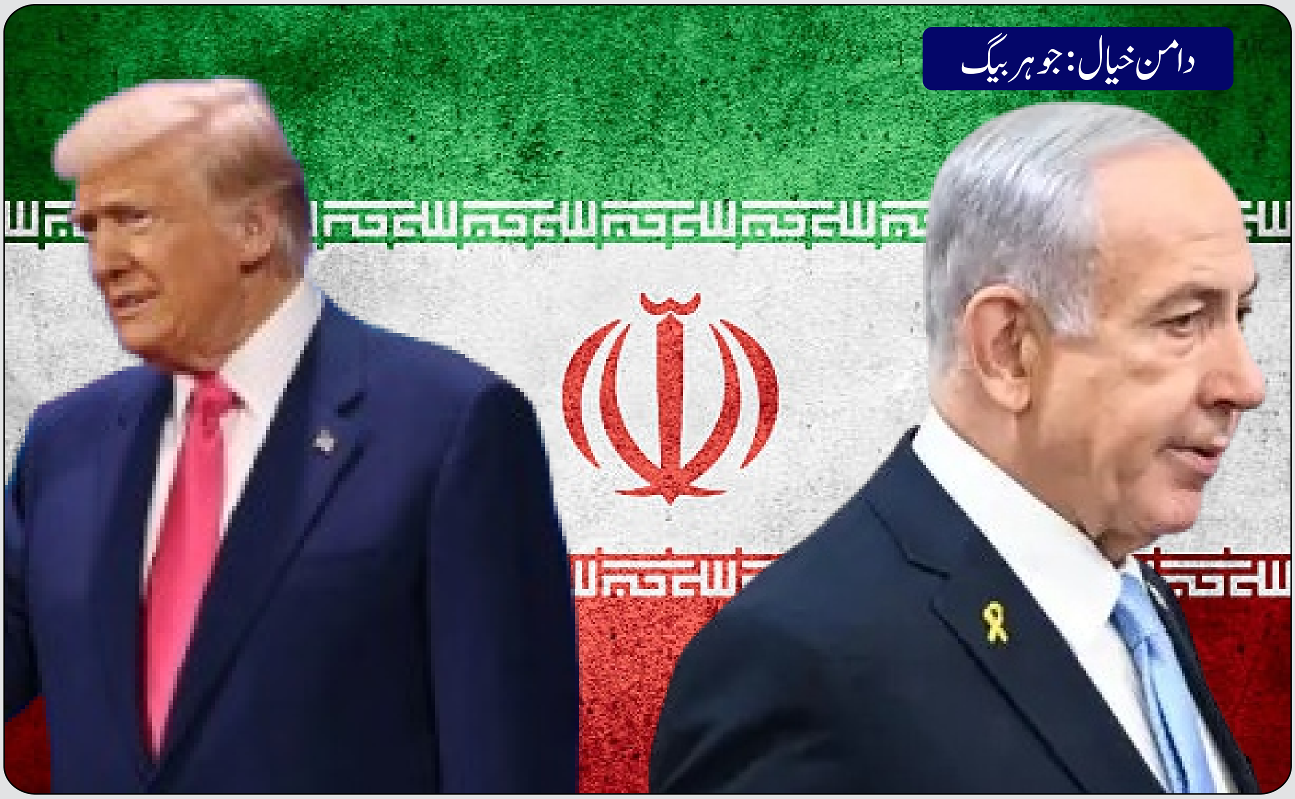

نیتن یاہو: مقدمہ ہار چکے ہیں

اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو واشنگٹن سے واپس اسرائیل پہنچے تو ان کے سابقہ وزیر دفاع بینی گانٹز ان کے خلاف اس بنیاد پر احتجاج منظم کر رہے تھے کہ ایران پر حملہ کرنے کا یہی وقت ہے۔ اسرائیل ایران کے جوہری اثاثوں پر حملہ کر سکتا ہے۔ امریکہ نے نیتن یاہو کو بلا کر پیغام دیا تھا کہ امریکہ ایران کے جوہری اثاثوں پر مزاکرات میں اسرائیل کو کسی سطح پر بھی شامل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نیتن یاہو کی بڑی سفارتی شکست تھی۔ گانٹز اسی موقع سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے۔

یہ ایک ایسا موقع بھی تھا جب اسرائیل کے اندر معاشرتی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عام تاثر یہ بن رہا تھا کہ غزہ جنگ جیت کے بھی ہار دی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسرائیل کے اندر عام لام بندی کے احکامات جاری کیے جا رہے تھے۔ اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کے ہر فرد کو حکم دیا جا رہا تھا کہ وہ غزہ جنگ میں فوج کی کمی دور کرنے کے لیے بیرکوں میں حاضر ہو۔

اسرائیلی پارلیمان کنیسٹ میں نیتن یاہو کا پلڑا حزب اختلاف میں بھی بھاری تھا۔ اپوزیشن اس دھوکے میں آنے کو تیار نہیں تھی کہ حتمی اور مکمل فتح حاصل کی جا چکی ہے۔ ایران پر حملہ خطے میں سارے اسرائیلی مفادات کے خاتمے کا سبب بن سکتا تھا۔ امریکہ بھی اسرائیل کو ایسے کسی بھی اقدام سے روک رہا تھا۔ شام پر اسرائیل کے حملوں کا منفی ردعمل دنیا بھر سے آ رہا تھا۔ شام میں بھی حالات کنفیوژ تھے۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسرائیل ان جانی دلدل میں اترتا جا رہا ہے۔

ان جارحانہ اقدامات نے بہت کھل کر سمجھا دیا تھا کہ اسرائیل کے جنگی جنون کے مطابق اس کی فوجی صلاحیت بہت ہی کم ہے۔ ایک ریجنل فوجی قوت بننے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ ایک اور مسئلہ پیدا ہو رہا تھا۔ اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہوتا نظر آنے لگا تھا۔ ایک طرف تل ابیب ریاست تھی۔ دوسری طرح مغربی کنارے کو ''جودیہ اور سماریہ'' کے نام سے فوج کشی کے حوالے کرنے والے بہت سے ''انتہاپسند کردار'' تھے۔

اب یہ داخلی ٹکراؤ اور دراڑ کھل کے سامنے نظر آنے لگی ہے۔ ملک کی خفیہ ایجنسی شین بیت کے ایک اعلیٰ افسر کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ اس نے ایک حکومت وزیر اور بعض صحافیوں کو کلاسیفائیڈ دستاویزات تک رسائی دی جو کہ وہ دینے کا حق دار نہیں تھا۔ اس سے بھی زیادہ نیتن یاہو کو دھچکا تب پہنچا جب وزیر خزانہ بزازیل سموٹریک نے جنگی کابینہ کے ایک ایسے اجلاس میں شمولیت سے انکار کر دیا جس میں شین بیت کے چیف شریک ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سیکیورٹی دستاویزات کے لیک ہونے کے معاملے کی تحقیقات جاری تھیں۔ یہ دستاویزات وزیر اعظم آفس سے چوری ہوئی تھیں۔

پولیس اور انٹیلی جنس اداروں میں اس وقت ٹکراؤ پایا جا رہا ہے۔ مغربی کنارے میں انتہا پسند آبادکار یہودیوں کے تشدد کو پھیلنے سے دائیں بازو کے سلامتی کے وزیر روکنے سے انکار کر چکے ہیں۔ ان کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ وہ پولیس کے معاملات کے انچارج ہیں۔ اس تشدد کی پشت پر وہ خود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا کچھ خلاف قانون نہیں ہو رہا۔ شین بیت کی وفاداریاں نیتن یاہو کے مخالف کیمپ کے ساتھ ہیں۔

وہ بزازیل سموٹریک سے براہ راست تصادم میں کام کر رہے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ ساری خبریں میڈیا تک

جا رہی ہیں۔ اس وجہ سے صیہونیت اسرائیل میں پہلی مرتبہ دو طبقات میں تقسیم ہو رہی ہے۔

متحارب آوازیں:

نیتن یاہو کے خلاف متحارب آوازیں دائیں بازو کے انتہا پسندوں نے اٹھانا شروع کیں۔ یہ زیادہ تر نیتن یاہو کے سابقہ اتحادی تھے۔ ان میں موشے شعالین، ڈان میری ڈور اور ڈین ہالوتیز نمایاں تھے۔ ان سب کے دعوے تھے کہ الامان والحفیظ۔ اب ان کی صفیں ٹوٹ رہی ہیں۔ پارلیمان کی ہومیوپیتھک اپوزیشن کی نسبت یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ حالیہ جنگ خطرات سے خالی ہرگز نہیں ہے۔ نیتن یاہو اس کی آڑ لے کر ایک بڑی معاشرتی جنگ چھیڑ رہے ہیں۔ یعالون نے ہی مغربی کنارے میں تباہ کن آپریشنز چھیڑے تھے۔ اس نے اسرائیلی عوام کے اندر خوف کی شدید لہر دوڑا دی تھی جب اپنے ایک پرائم ٹائم انٹرویو میں کہا تھا کہ مجھے اسرائیل سے یہ توقع ہرگز نہیں ہے کہ وہ غزہ اور مغربی کنارے میں نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے کے لیے مسلح دستے نہیں بھیجے گا۔ یعالون نے کہا کہ مجھے یہ بھی تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ شمالی غزہ میں اسرائیل نسلی صفائی کر رہا ہے۔ وہ وہاں فلسطینیوں کو چن چن کر قتل کر رہا ہے۔

میری ڈور، سابقہ وزیر انصاف، نے میڈیا کی اس بات سے اختلاف کیا کہ سیاست میں نسل پرستی بڑھ رہی ہے۔ اس نے میڈیا کو یاد دلایا کہ اسرائیل نے ایک موقع پر ربی مائر کہانے کی پارٹی کو الیکشن لڑنے کے لیے نااہل قرار دے دیا تھا۔ وہ ایک نسل پرست پلیٹ فارم سے ایسا کرنا چاہتے تھے۔

ھالوتز، اسرائیلی فورس کے سابق کمانڈر رہیں۔ وہ عوام میں آ کر کہہ چکے ہیں کہ غزہ جنگ غلط ہے۔ وہ وارننگ دے چکے ہیں کہ اس جنگ سے نفرت بڑھے گی اور اسرائیل کے دشمن زیادہ طاقت ور ہو جائیں گے۔ ہارتز اخبار سے حالیہ ایک انٹرویو میں کہا کہ انہیں خطرہ ہے کہ میرے بچے اور ان کے بچے اسرائیل چھوڑ جائیں گے۔ اس کی وجہ انہوں نے بتائی کہ نیتن یاہو اس کے ذمہ دار ہیں۔ وہ ایسی معاشرتی انجینئرنگ کر رہے ہیں جس سے معاشرے کا توازن بکھر جائے گا۔

فلسطینی انسانیت۔۔ کہیں نہیں:

اسرائیل کے بارے میں ان کے ان دعوؤں کے باوجود انہیں فلسطینی انسان کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ ایسے حالات پیش کر رہے ہیں جو بائیں بازو کے اسرائیلی سیاست دان کو کہیں نظر نہیں آ رہے۔ دائیں بازو کے صیہونی مزید خوف ناک جنگ دیکھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر وہ تہذیب پر غلبہ پانے کی فکر میں ہیں۔ بائیں بازو کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ حقیقی متبادل سامنے نہیں لا رہا۔ دائیں بازو کا مسیحی اس کوشش میں ہے کہ ایک لمبی نظری جنگ کی بساط بچھائی جائے جو اسرائیل کے تشخص کی بنیادیں اٹھا سکے۔

اسرائیلی معاشرے کا عالم یہ ہے کہ یہ عام طور پر سمجھا جا رہا ہے کہ غزہ جنگ میں منظم نسلی صفائی (Genocide) کی گئی ہے اور یہ کام بڑی مہارت اور نارمل انداز میں کیا گیا ہے۔ ہزاروں لاکھوں فلسطینی بے دریغ ہلاک و زخمی کیے گئے، ہزاروں لبنانی صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے اور اسرائیلی معاشرہ کہتا ہے کہ کمال نفاست سے کام لیا گیا ہے۔ اسرائیلی زندگی نارمل انداز میں آگے بڑھتی رہی ہے۔ ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کی مسافت پر ننھے منھے جگر پاش پاش کر دیے گئے اور اسرائیلی معاشرہ آگے۔ بڑھتا رہا۔

اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جہالت ہے بل کہ یہ ہے کہ نفسیاتی سطح پر خود کو الگ تھلگ کر لیا گیا۔ کوئی مرتا ہے تو مرے، ہمیں معلومات تک بھی رسائی رہے، لیکن ہماری زندگی تو چل رہی ہے۔ غزہ اور بیروت میں تباہی ہمارے ارمانوں کے لیے سکون کشید کر لائی ہے۔

اب یہ دعوے لا حاصل ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ اب ہم بالکل نہیں جانتے ہزاروں اسرائیلی فوجیوں کے سینوں پر لگے کیمرے فلمیں بناتے رہے کہ اس جنگ میں کس فوجی کا کیا کردار رہا ہے۔ اصل خطرہ تو اس معاشرے کے اندر ہے جو بہت کچھ جانتا ہے، سارا جرم جانتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کچھ نہیں جانتا۔ یہ ہزاروں بچوں کے بلکنے کے حقیقی مناظر لے کر گیا ہے۔ کیا یہ مناظر کچھ بھی یاد نہیں دلاتے۔

خطرہ توازن کو ہے:

نیتن یاہو کے سابقہ اتحادی اس خطرے کو بھانپ رہے ہیں۔ یہ خطرہ توازن کو ہے۔ اس کے ایک طرف اسرائیلی ہیں جو دوسری طرف کے فلسطینی پر غالب آ رہے ہیں۔ ایک پلڑا جھک رہا ہے اور دوسرا پلڑا اوپر اٹھ رہا ہے۔ اس کا ایک اثر یہ ہے کہ فرد چاہتا ہے کہ کس طرح فوج میں بھرتی ہوا جائے اور زیادہ سوالات نہ کیے جائیں۔ اسرائیلی فوجیوں کو جنگ سے واپسی پر غالباً مساج سنٹرز کے مفت واؤچر مل رہے ہوں گے۔ جم خانوں میں ڈسکاؤنٹ مل رہے ہوں گے۔ اب وہ غزہ سے چھٹیاں گزارنے پیرس اور لندن جا رہے ہوں گے۔

لیکن انتہا پسند مسیحی تو ابھی بہت کچھ مانگ رہے ہوں گے۔ ان کے وجدان میں ایک سوشل معاشرہ نہیں ہے، وہ ایک فوجی معاشرہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ خود کو مذہبی جنگ کا کردار ہی سمجھ رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل پھیل رہا ہے۔ پھیلتا جائے، لیکن انہیں پھیلانے والے اب انہیں سمیٹنا چاہتے ہیں۔ نیتن یاہو کو پیغام دے دیا گیا ہے کہ خبردار! ایران کے معاملے میں تب تک ٹانگ نہیں اڑانا جب تک ہم نہ کہیں۔ لیکن وقت اور قوت کی طناب جس کے ہاتھ میں ہو وہ کسی کی کم ہی سنتا ہے۔ چنانچہ کل کے حلیف آج کے حریف ٹھہرے ہیں اور عرب ملکوں کے لیے معاملہ اب دھمکیوں سے آگے نکل گیا ہے۔

اس توازن کے مرکز میں اسرائیل کا مڈل کلاس طبقہ ہے۔ یہ ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ زیادہ تر تل ابیب کے اندر ہی رہتا ہے۔ اس طبقے نے ایک فارمولا برداشت کیا ہے۔ قبضہ تل ابیب سے باہر ہے، لبرل طرز زندگی تل ابیب کے اندر ہے۔ یہ طبقہ جنگ کے دنوں میں خاموش رہا ہے۔ یہ طبقہ تب سے خاموش ہے جب سے غزہ کا اٹھارہ سال سے محاصرہ اور ناکہ بندی جاری ہے۔

اس طبقے نے خود کو مذہبی اشرافیہ کے دائیں بازو میں ڈھالا ہے۔ اس نے بڑے شہروں میں اکیڈمی طرز کے ادارے اور کمیونٹی سنٹرز بنائے ہیں۔ اس طرح یہ طبقہ آہستہ آہستہ اسرائیل کی شہری زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔ ایک اور عنصر قوت پکڑ گیا ہے۔ لگتا ہے کہ نیتن یاہو کے سابق اتحادیوں سمیت تل ابیب چھوڑ دے گا۔ ہوا تو اسرائیل کی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اسرائیل ایک لبرل جمہوریہ نہیں رہے گا۔

ایک منظر اور بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ڈیگو گارشیا میں امریکی اڈہ ہے۔ اگر امریکہ ایران کے جوہری اثاثے تباہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے B-2 بمبار یہاں سے پرواز کریں گے۔ ایک ہفتے سے اس اڈے پر B-2 بمبار، سٹیلتھ طیارے اور دوسرے ایئر کرافٹ جمع ہو رہے ہیں۔ یہ مالدیپ کے جنوب میں 700 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ یہاں سے امریکہ اور برطانیہ کی پروازیں معمول ہیں۔ یہاں تین B-2 بمبار پروازیں کرتے دیکھے گئے ہیں۔ بعض اطلاعات کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہے۔

پیکرِ خاکی: ثامر بل

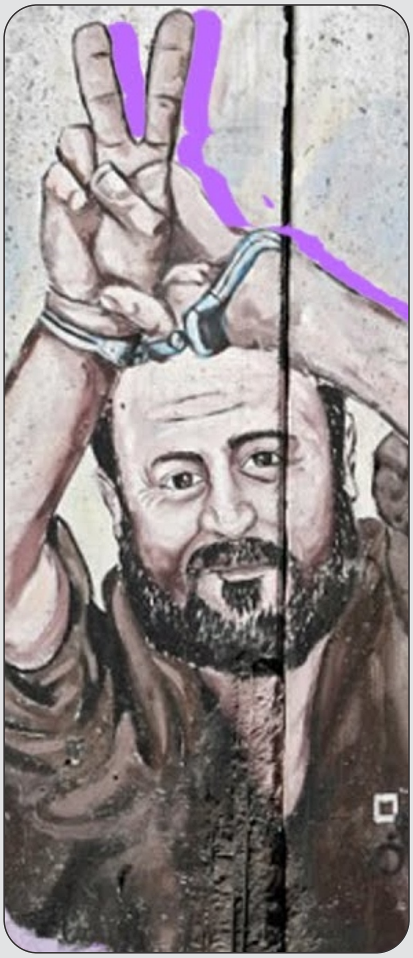

عبداللہ برغوثی: اسرائیلی قید میں زندگی سے محروم

اسرائیل کی جیلوں میں لاتعداد موتی رُل رہے ہیں۔ ان جیلوں کے بارے میں عقوبت خانوں کا لفظ عموماً بولا جاتا ہے۔ اب تو ان کے لیے کوئی اور ترکیب یا اصطلاح وضع کرنا پڑے گی۔

ایک اور صہیونی روایت یہ ہے کہ جب ان کی عدالتیں سزا سنانے پر آتی ہیں تو یکے بعد دیگرے سزا دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر دنیا میں کہیں بھی سزا سنائی جاتی ہے تو دس مرتبہ سزائے موت نہیں سنائی جاتی، جن نام نہاد آزاد خیال ملکوں میں سزائے موت نہیں دی جاتی، ان میں سزا یکے بعد دیگرے عمر قید سنائی جاتی ہے۔ ایک عمر قید ختم ہوتی ہے تو دوسری شروع ہو جاتی ہے یا پھر بہت طویل سزا دی جاتی ہے جس کے ختم ہونے سے پہلے کئی زندگیاں ختم ہو سکتی ہیں یا ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال عافیہ صدیقی ہے، یہ بے ضرر خاتون 86 سال کی سزا کاٹ رہی ہے۔ اسے جیل گئے بھی بیس برس گزر چکے ہیں۔

مسلم دنیا میں خوف کا عالم یہ ہے کہ جن مجرموں کو سزائے موت کا حکم دیا گیا یا جاتا ہے، گزشتہ کئی برسوں سے ان کی سزا پر عمل کرنے کی ان حکومتوں کو جرأت نہیں ہوئی ہے۔ نہ جانے کتنے قیدی اپنی سزائے موت کی خواہش لیے جیلوں میں قید ہیں۔ ان ملکوں میں پاکستان بھی شامل ہے۔ بھارتی جاسوس کلبوشن یادیو کو علم ہے کہ پاکستان کی حکومت سزا پر عمل درآمد نہیں کرے گی۔

سزائے موت کی مخالفت کرنے والے عالمی ادارے اسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عدالت سزائے موت کا حکم دیتی ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کی پامالی ہے۔ ایک قیدی کو برسوں قید رکھ کر اس کے کون سے حقوق محفوظ کیے جا رہے ہیں۔ بعض ملکوں میں عمر قید کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاتی۔ عدالت 60 سال یا 70 سال قید سنا دیتی ہے۔ اگر اس پر 10 افراد کے قتل کا جھوٹا یا سچا الزام لگتا ہے، وہ سیاسی الزام ہو یا واقعی جرم سرزد ہوا ہو، یہ سزا 600 سال یا 700 سال ہو جاتی ہے۔

اسرائیل کی عدالتیں بھی ایسی ہی سزائیں سناتی ہیں۔ ایسی سزائیں کسی اسرائیلی کو نہیں سنائی جاتیں۔ یہ مہربانی عام طور پر فلسطینی کو سنائی جاتی ہیں تاکہ وہ حق یا نہ حق سزا کاٹے اور عمر بھر قید رہے لیکن مرنے کے بعد بھی سزا مکمل یا ادھوری نہ ہو۔ ایسے بہت سے قیدیوں کی میت بھی واپس نہیں کی جاتی۔ اسرائیل کی جیل کے ساتھ ہی قبر کھول کر

اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔

عبداللہ برغوثی بھی ایک ایسے فلسطینی ہیں۔ ان کے پاس اردن کی شہریت ہے لیکن اردن کی حکومت نے کبھی یہ مطالبہ بھی نہیں کیا کہ انہیں اردن کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ 2003ء سے قید میں ہیں۔ یہ کم وبیش 22 سال کی مدت ہے۔ جو بچے دنیا میں کہیں بھی پیدا ہوئے وہ آج مکمل جوان ہو چکے ہیں۔

عبداللہ برغوثی اپنی قید کے پہلے دن سے عقوبت خانے میں ہیں۔ ان کو سنائی گئی سزا میں درج ہے کہ انہیں سنگین حالات میں رکھا جائے۔ وہ مسلسل عقوبت میں رکھے گئے ہیں۔ ان پر سختی میں تب مزید اضافہ کر دیا گیا جب 2023ء میں غزہ جنگ کا آغاز ہوا۔

عبداللہ برغوثی کا جرم یہ ہے کہ وہ حماس کے القسام بریگیڈ کے رکن رہے ہیں۔ وہ دوران قید طویل ترین قید کاٹنے والے قیدی ہیں۔ انہیں 67 بار عمر قید سنائی گئی ہے۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے 2003ء میں اسرائیلیوں پر ایک تباہ کن حملے کی منصوبہ بندی کی تھی۔

حماس نے یرغمالیوں کے تبادلے میں چند ایسے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا جسے اسرائیل نے پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی بیٹی طلہ (Tala) نے فیس بک پر اپنے والد پر گزرنے والی ابتلا کی چند جھلکیاں شیئر کی ہیں۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے والد پر کس قدر اذیت ناک زندگی مسلط کر دی گئی ہے۔ طلہ نے بتایا ہے کہ ان کے والد کو جس سیل میں رکھا گیا ہے، وہاں سے تمام دیگر قیدی دوسرے سیلوں میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔ اب مختلف ہتھیار اور آلات سے ان کے والد پر گھنٹوں تشدد کیا جاتا ہے۔ ان آلات میں لوہے کی سلاخیں اور بیلٹس استعمال کی جا رہی ہیں۔ ان کی بیٹی نے بتایا ہے کہ عبداللہ برغوثی کے جسم پر جگہ جگہ زخم پڑ چکے ہیں۔ ان کی متعدد ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ انہیں کسی بھی طبی امداد سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ جس وجہ سے ان کا جسم بالخصوص بازو اور ٹانگیں ٹوٹنے سے سوجن پیدا ہو گئی ہے۔ ان تک رسائی پانے والی وکیل جب ان سے مل کر واپس ہوئیں تو زار و قطار روتی رہیں۔ وہ الفاظ میں پوری طرح عبداللہ برغوثی پر گزرنے والے ظلم کی داستان بھی نہ سنا سکیں۔

جب وہ خاتون وکیل جیل سے باہر آئیں تو تب بھی رو رہی تھیں۔ اس سے یہ محسوس کرنا ممکن ہو سکتا ہے کہ اس قیدی پر روزانہ کی بنیاد پر ہونے والے تشدد اور اذیت کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے۔ اس قیدی کو اس کی ذاتی عزت سے محروم ہونے کا بھی یقین ہونے لگتا ہے جو اس غیر انسانی اذیت کا ہر روز سامنا کرتا ہے۔ عبداللہ شدید تکلیف میں ہے۔ اس کا ہر زخم کھلا اور مرہم کے بغیر ہے۔ اسے کسی بھی نوعیت کی طبی امداد میسر نہیں ہے۔

عبداللہ برغوثی کے سیل کے ساتھیوں کو مجبور کیا جاتا رہا ہے کہ وہ جس پاؤڈر سے برتن صاف کرتے ہیں، اسی پاؤڈر سے وہ برغوثی کے زخموں کو صاف کرتے ہیں۔

برغوثی سارا وقت فرش پر پڑے رہتے ہیں۔ وہ تکلیف کی شدت سے سو بھی نہیں سکتے۔ ان کے زخموں کی تکلیف اس قدر زیادہ ہے کہ اسے کوئی نام دیا بھی نہیں جا سکتا۔

برغوثی کے اہل خانہ نے اردن کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کرے اپنے سفارتی عملے سے کہے کہ وہ کم از کم باقاعدگی سے جیل کا دورہ کرے۔ ان پر ہونے والے تشدد پر احتجاج کرے تا کہ عبداللہ برغوثی پر ظلم ختم نہیں ہو رہا تو اس کی شدت میں کمی ہو سکے۔ اب تو وکیل کے وزٹ کو بھی روک دیا گیا ہے۔

عبداللہ برغوثی کی اہلیہ فائزہ برغوثی نے میڈیا کو بتایا ہے کہ وکیل کے آخری دورے سے ان کی جو صورت حال معلوم ہوئی ہے، اس سے ان کے بارے میں تشویش اپنی انتہا کو پہنچ رہی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ یوم فلسطین پر عبداللہ برغوثی کو سارا دن مسلسل مارا پیٹا گیا۔ ان کی آنکھوں اور ہاتھوں پر مسلسل ضربات لگائی گئیں جس سے وہ حرکت کرنے کے قابل نہ رہے۔ اس شدت کی اذیت کے باوجود انہیں کسی بھی طرح کی طبی امداد نہیں دی گئی۔

اسرائیل کے انسانی حقوق کے اپنے ادارے B'Tselem کے ذمہ داران کا کہنا ہے کہ فلسطینی قیدیوں کو منظم طریقے سے اذیت سے دوچار کیا جا رہا ہے۔ برغوثی اس وقت Gilboa جیل میں ہیں۔ اس جیل میں انہیں دسمبر 2023ء میں منتقل کیا گیا تھا۔ ان کی اہلیہ کا کہنا ہے کہ انہیں وکیلوں اور صحافیوں سے علم ہوتا ہے کہ ان کے شوہر پر کیا بیت رہی ہے۔ انہیں ان کے بارے میں کسی بھی طرح کی معلومات نہیں دی جاتیں۔ ان سے ملنے کی ہر بار کوشش ناکام بنا دی جاتی ہے۔

فائزہ برغوثی نے بتایا ہے کہ ان کو اپنے شوہر سے ملنے کی ہر درخواست کا تین ماہ بعد جواب آتا ہے۔ اس میں بتایا جاتا ہے کہ ان سے ملاقات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

برغوثی کی قید کے 23 ویں سال مختلف ذرائع سے صرف اتنا علم ہو سکا ہے کہ اس مدت کے زیادہ تر عرصہ میں عبداللہ کو قید تنہائی میں رکھا گیا ہے۔ کسی اہل خانہ کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس عرصے میں ان کے والد نے انہیں صرف ایک بار دیکھا۔ وہ بھی 2024ء میں انتقال کر گئے تھے۔

ان کے خاندان کے افراد کا کہنا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بھی تفصیل رہا ہونے والے ان قیدیوں سے مل پاتی ہے جو ان کے ساتھ قید تھے۔ ان 23 سالوں میں ان کے اہل خانہ سے 5 بار ان کی مختصر ملاقات ہو سکی ہے۔ آخری بار 2024ء میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

رپورٹر کی ڈائری: ھدیٰ سکیک

غزہ منتظر ہے صدائیں کون سنے گا؟

غزہ میں بھوک ایک چڑھتے مرغولہ کی مانند ہے۔ صحت عامہ کی ہر سہولت ایک منصوبے کے تحت تباہ کردی گئی ہے۔ اس ہفتہ رہی سہی بیکری شاپس بھی بند ہوگئی ہیں یا بم سے اڑا دی گئی ہیں۔ اس طرح اس مختصر سے خطے میں بھوک مکمل طور پر مسلط کردی گئی ہے۔ ہر بیکری کے دروازے پر ایک کاغذ چسپاں ہے جس پر لکھا ہے:

”تا اطلاع ثانی بیکری بند رہے گی۔“

ان شاپس کے باہر لوگوں کی لمبی قطاریں ہوا کرتی تھیں۔ یہ لوگ زیادہ تر ڈبل روٹی خریدنے آتے تھے۔ اب یہ شاپس بند ہیں۔ لوگوں کی قطاریں غائب ہیں۔ کوئی غلطی سے ان دکانوں کی طرف آن نکلتا ہے اور مایوسی کے عالم میں واپس چلے جاتا ہے۔

غزہ میں ان دکانوں پر ڈبل روٹی یعنی بریڈ بنائی جاتی رہی ہے بل کہ فروخت بھی یہیں سے ہوتی رہی ہے۔ یہ فلسطینیوں کے لیے لائف لائن ہوا کرتی تھیں۔ ان کو اسرائیل کی نیتن یاہو کی مسلط کردہ انسان کش جنگ اور محاصرے نے کھالیا ہے۔

آٹا غزہ میں کبھی بہت آسانی سے دستیاب رہتا تھا۔ اب وہ بھی نایاب ہو چکا ہے۔ غزہ بھوکا ہے، بھوکا مر رہا ہے۔ آٹا لوگوں کے لیے زندگی کا ذریعہ تھا، اب نہیں ہے۔ عالمی ادارۂ خوراک بھی غزہ میں آٹا فراہم کرنے میں ناکام ہے۔ یہ ادارہ غزہ کی 18 بیکریوں کو آٹا فراہم کرتا تھا۔ اب اس کے ذخائر خالی ہیں۔ ان کی خالی عمارتوں پر اسرائیل بمباری کرتا ہے۔

اس صورت حال نے غزہ کے 20 لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں میں تشویش کی لہر کو مزید تیز کردیا ہے۔ ہر گزرتے گھنٹے کے ساتھ اس تشویش میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ بھی اب شدید پریشان ہیں جن کے گھروں میں آٹے کی سپلائی آتی رہی ہے، ان کے لیے بھی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ آٹے کی سپلائی کا ختم ہونا ہے لیکن ان کے لیے بڑا مسئلہ یہ بن گیا ہے کہ ان گھروں میں بڑے بڑے اوون تھے۔ اب گیس سپلائی بند ہو چکی ہے۔ یہ اوون بھی کام نہیں کر رہے۔

شمالی غزہ میں اسرائیلی فوج اب بھی فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکال رہی ہے۔ گویا شمال سے وسطی غزہ اور وہاں سے جنوبی غزہ کی سمت ایک نکبہ مسلسل جاری ہے۔ لوگوں کو اپنے گھروں سے کچھ بھی لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ بے سروسامانی کے عالم میں گھروں سے نکالے جا رہے ہیں۔ ان میں سے اکثریت اب خیموں میں رہ رہی ہے جہاں اسرائیل مسلسل بمباری کر رہا ہے۔ وہاں جیسی بھی اشیاء دستیاب ہیں، ان کی قیمت ہی بہت زیادہ ہے۔

بیکریوں کے بند ہو جانے یا کردیے جانے کے ایک دن بعد کھلے عام فروخت ہونے والے آٹے کا تھیلا 500 شیکل سے 1000 شیکل میں فروخت ہو رہا ہے۔ یہ رقم 27 ڈالر سے 35 ڈالر بنتی ہے۔ عام حالات میں حماس آٹے کا تھیلا سبسڈی دے کر فروخت کرتی تھی۔

غزہ میں بریڈ کو روزانہ کی زندگی کی شے کہا جاتا تھا۔ ہر کھانے میں یہ استعمال ہونے والی خوراک تھی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ غزہ کی بہت بڑی آبادی کو ایک دن میں بمشکل ایک ہی کھانا مل سکتا ہے۔ زیادہ تر انحصار ڈبوں میں آنے والی خوراک پر ہے۔ اسی میں چاول ملتے رہے ہیں، پاستا جیسی چیزیں کوشش کر کے مل جاتی تھیں۔

غزہ والوں کو اب بھوک اور بڑھتے قحط کا سامنا ہے۔ اسرائیل ایسی عمارتوں کے ملبے پر بھی بمباری کرتا ہے، جہاں اسے شک گزرے کہ یہاں کہیں خوراک موجود ہوسکتی ہے۔اب اس سلسلے کو ڈیڑھ سال ہونے کو آیا ہے۔ آٹے کی قلت سے پہلے بیکریاں مہینے میں تین یا چار مرتبہ بریڈ تیار کرتی رہی ہیں۔ یہ سلسلہ آٹے کی سپلائی جاری رہنے تک چلتا رہا ہے۔ پھر وہ وقت آیا جب لوگوں کو چیچ کے ساتھ پنیر کھانا پڑا۔ وہ غزہ کی سوغات زیتون کھاتے رہے۔وہ بھی سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

سارے غزہ میں خوراک نہ ملنے سے پیدا ہونے والے بحران نے صحت پر منفی اثرات ڈالنے شروع کردیے ہیں۔ بھوک فلسطینیوں کو مار رہی ہے۔ بچوں کو مناسب خوراک نہیں مل رہی۔ قحط اب دنوں کی بات نہیں رہی۔ فلسطینی اس وقت قحط کا سامنا کررہے ہیں۔ یہ قدرت کا دیا ہوا قحط نہیں ہے۔ یہ اسرائیل کا مسلط کردہ ہے۔ اس کے لیڈرز سرعام کہہ رہے ہیں کہ وہ فلسطینیوں کو بھوک اور قحط سے ماردیں گے۔

انہی دنوں میں اسرائیل کی بمباری سے عماد شہید ہوا جب وہ اپنے بچوں کے لیے کھانا لینے نکلا تھا۔ اب بھوک نے صحت کے بحران کو پیدا کردیا ہے۔غزہ میں صحت عامہ کی ہر سہولت اسرائیل نے مکمل تباہ کردی ہے۔ اس وقت ہزاروں بچے ایسے ہیں جن کو بھوک نے مختلف بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے۔ اب یہ مسئلہ خوراک کی کمی کے مسئلہ سے بھی بڑا ہوتا جارہا ہے۔قحط کی اس مصنوعی صورت حال میں شدت پیدا کی جارہی ہے۔ ادویات کی ترسیل بھی روک دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے بچوں کی اموات کی کیفیت خراب ہورہی ہے۔ وہ ایسی بیماریوں سے مررہے ہیں جن کو عام حالات میں روکا یا کم کیا جاسکتا تھا۔

غزہ میں لوگ آٹے کے لیے ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہورہے ہیں۔ گزشتہ سال ایک ایسا قتل عام ہوا تھا، جس میں آٹے کے لیے قطار میں کھڑے فلسطینیوں کو اسرائیل نے گولیوں سے بھون دیا تھا۔ یہ اب عام دیکھنے میں آرہا ہے کہ کہیں بھی آٹے کا علم ہوتا ہے، خواہ غلط ہی ہو، لوگ وہاں پل پڑتے ہیں۔

غزہ میں بیکریوں کے کام کے خاتمے اور قحط پھیلنے کے خطرے نے لوگوں کو مزید الجھا دیا ہے۔ اب اپنی طرز کا انسانی بحران جنم لے رہا ہے۔

یہ بہت مشکل امر ہے۔ مصرین کی اکثریت اس بات سے متفق ہے کہ فلسطینیوں کے خلاف بھوک اور قحط کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا واقعہ انسانی تاریخ میں پہلے کبھی پیش نہیں آیا۔ غزہ کے ارد گرد موجود عرب ممالک مئی میں امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ان کے ہاں بے شمار دسترخوان سجتے ہیں۔ غزہ کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب دکھاوا اور ریاکاری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک خاندان کا ایک بیٹا جنوبی غزہ میں روکا گیا ہے تو دوسرا بھائی شمالی غزہ میں روک لیا گیا ہے۔ دونوں بے خبر ہیں کہ حالات کس شدت سے انسانی زندگی کے لیے ناممکن ہوتے جارہے ہیں۔

اسرائیل نے صرف حماس کے خلاف جنگ نہیں چھیڑ رکھی بل کہ وہ ساری فلسطینی آبادی کے خلاف جنگ کررہا ہے۔ قابض افواج قبضے میں اس طرح سے مصروف ہیں کہ مزاحمت کا ہر امکان ختم کرنے کے لیے امریکہ و یورپ کے جملہ وسائل کے ساتھ تباہی پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہیں۔ مسلم ممالک خاموش ہیں۔ وہ دم بہ خود نہیں ہیں۔ سب دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہورہا ہے۔ عشروں پر مبنی جنگ کے اس مرحلے پر اسرائیل اس پر تلا بیٹھا ہے کہ ہر فلسطینی بچے کو بھی ختم کردے گا۔ ہر فلسطینی سن رہا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ ایسا ہوا تو اسے بے دخل اور جلاوطن کردیا جائے گا۔

اس وقت پورے شمالی غزہ میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے، کوئی پھل یا سبزی شمالی غزہ میں داخل ہونے نہیں دی گئی۔ کہیں آٹا ہے اور نہ اب پاستا ہے، گوشت ہے اور نہ ہی پنیر باقی ہے۔ کہیں بھی انڈے نہیں ہیں اس لیے کہ مرغیاں کب سے ختم ہو چکی ہیں۔ اگر کہیں کچھ ہے تو اس کی 25 گنا زیادہ قیمت وصول کی جارہی ہے۔

اس وقت غزہ کا ہر فرد دکھ بھرے انداز میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیکھ رہا ہے۔ آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی ہیں۔ بہت کھاتے پیتے گھروں کے بچے خوراک کی بھیک مانگتے نظر آرہے ہیں۔ مائیں خاموش ہیں اور ترستی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی ہیں۔

دنیا دیکھ رہی ہے کہ اسرائیلی حکومت بار بار کہہ رہی ہے اور سرعام کہہ رہی ہے کہ بھوک اور قحط کو موت بنادیں گے۔ واقعی مناظر یہی ہیں کہ انسانوں کو ان دو ہتھیاروں سے مارا جارہا ہے۔ اور جو مررہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ بم سے مرنا آسان ہے، بھوک سے مرنا بہت مشکل ہے۔

انسانی زندگی کو تو اس نہج پر تباہ ہوتا دیکھ کر اب تو یہ بھی کہا نہیں جارہا کہ غزہ میں ہولناک تماشا رچایا جارہا ہے۔ فلسطینی غیر سرکاری تنظیموں کے نیٹ ورک نے تبصرہ کیا ہے اور کچھ نہیں کہا اور بیان دیا ہے کہ فلسطینی بالخصوص شمالی غزہ میں بدترین بھوک اور قحط سے دوچار ہیں۔ نیٹ ورک نے بین الاقوامی برادری کو پوری طرح ذمہ دار قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم اسلام اور عالم عرب اور اس سے بھی کہیں زیادہ سعودی عرب، قطر اور امارات اس کے ذمہ دار ہیں۔ یہ تینوں کہہ رہے ہیں کہ غزہ کی تعمیر نو کریں گے، اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔ ٹرمپ کے ''ریویریا'' کو روکا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مئی میں امریکہ ان سے کھربوں ڈالر لے جائے گا۔ ریویریا بھی یہ روک نہیں سکیں گے اور ان کی دشمنی فلسطینیوں کو بے موت ماردے گی۔

اقوام متحدہ کے اداروں کا کہنا ہے کہ غزہ میں اس وقت پانچ لاکھ سے زیادہ فلسطینی موت و حیات کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اسرائیل ان سب کو بھوک سے ماررہا ہے۔ جگہ جگہ کھانے تقسیم کرنے والے غزہ میں موت تقسیم ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ خوراک کے ٹرک رفاہ پر کھڑے غزہ میں داخل ہونے کی اجازت کے منتظر ہیں۔ ان پر یہودی آبادکار، قابض فوج اور پولیس حملے کررہے ہیں۔ ان کو تباہ کررہے ہیں۔

یہ سارے مناظر ہالی ووڈ کی کسی ہارر فلم کے لگ رہے ہیں۔ یہ اصلی مناظر ہیں۔ ابھی سے غزہ میں فلسطینی چلتے پھرتے استخوانی ڈھانچے نظر آنے لگے ہیں۔ اسرائیل ان سے بری طرح خوفزدہ ہے۔ وہ ان ڈھانچوں کو بھی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ لوگوں کو نیند نہیں آرہی۔ وہ سونا بھول گئے ہیں۔ وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ بم سے بچ گئے تو بھوک جلد مرجائیں گے۔ کون کب تک بھوک سے جنگ کرسکتا ہے۔ فلسطینی کہتے ہیں کہ بھوک سے لڑتے لڑتے سوچتے تھے کہ سوجائیں، لیکن کون کب تک ایسا کرسکتا ہے۔

فلسطینی بتاتے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ملبے سے باہر نکل آئیں لیکن دھوپ کی تمازت ایسی ہے کہ بدن جھلس جاتے ہیں۔ بچے سب کچھ جانتے ہیں لیکن بھوک تنگ کرتی ہے تو کھانے کو مانگتے ہیں۔

پہلے بھوک ایک ڈراؤنا خواب تھی۔ اب زندگی ڈرارہی ہے۔ غزہ بھوکا ہے، بھوک سے مررہا ہے۔

GREATER ISRAEL IN PROGRESS...
WEST BANK
GAZA
SYRIA
LATUFF 2024
MONDOWEISS
اسرائیل شام میں بشارالاسد کے زوال کو
اپنے نوآبادیاتی فائدے کے لیے استعمال کررہا ہے

unrwa
غزہ میں بے گھر اور بھوکے
فلسطینیوں
پر اسرائیلی میزائلوں کی بارش جاری

في غزة
لاطعام
In Gaza: No food

في غزة
لاحليب
In Gaza: No milk

في غزة
لاأدوية
In Gaza: No medicine

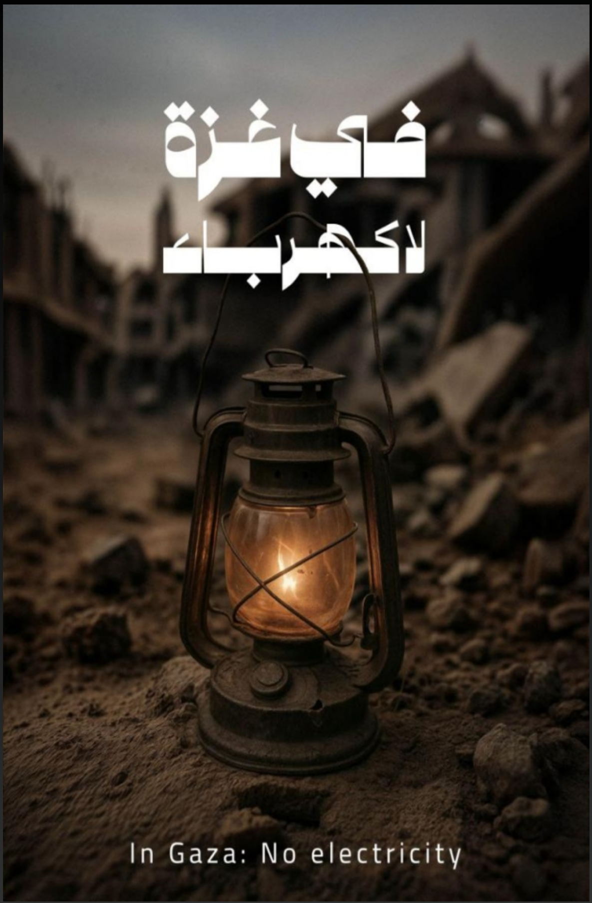
في غزة
لاكهرباء
In Gaza: No electricity